کلیاتِ اکبر

(حصّہ دوم)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذہن میں جو گھِر گیا، لا انتہا کیونکر ہوا   جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا
دل کو جو پہنچائے ایذا، وہ نہیں ہے اہلِ دل   ظلم کا باعث جو ہو، درد آشنا کیونکر ہوا
طالبِ دنیا کو اکبر کس طرح سمجھوں میں خضر   خود جو گُم ہے فکر میں، وہ رہنما کیونکر ہوا

وقتِ طلوع دیکھا، وقتِ غروب دیکھا   اب فکرِ آخرت ہے، دنیا کو خوب دیکھا
اس نے خدا کو مانا، وہ ہو رہا بتوں کا   یا اُس نے خوب سمجھا، یا اس نے خوب دیکھا
نامِ خدا کو اکثر زیبِ زباں تو پایا   عشقِ بتاں کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا
اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی   اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

کوئی طاقت نہیں اب آپ کی طاقت کے سوا   کچھ بچا ہی نہیں میرے لیے جنّت کے سوا
ہر ارادے میں نظر آتی ہے اک صورتِ یاس   شغل اب کچھ بھی نہیں فسخِ عزیمت کے سوا
اُس کو تھا ناز کہ حاصل ہے مجھے راحت و عیش   میں نے جانچا، تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا
شکوہ تھا جس کو زمانے میں، مبارک ہو اُسے   ہم نے تو کچھ بھی نہ پایا غم و حسرت کے سوا
مطمئن ہو کے لگاتا ہوں لحد میں بستر   اب اُٹھاتا ہے مجھے کون قیامت کے سوا
عکسِ دنیا کے مرقع کا پڑا آنکھوں میں   دل میں اُتری نہ کوئی شے تری صورت کے سوا

نہ یہ رنگِ طبع ہوتا، نہ یہ دل میں جوش ہوتا   یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ ہوش ہوتا
غمِ دہر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا   مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ نوش ہوتا
تمھیں دیکھ حُسن کے فطرت نے یہ نقش کھینچے ورنہ   نہ یہ ہوتی چشمِ نرگس، نہ یہ دل کا گوش ہوتا
دل و دیں ہیں سب کے صدقے جو وہ خود نما بنا ہے   کوئی زندہ ہی نہ رہتا جو وہ خود فروش ہوتا
نہ اُبھارتا جو گردوں تو وہ کیوں یہ ظلم کرتے   کچھ اثر فغاں میں ہوتا تو میں کیوں خموش ہوتا
حسن نظامی اکبر کا کلام سن کے بولے   میں تجھے ولی سمجھتا جو تو خرقہ پوش ہوتا

نہ کہہ کہ شمع سے پروانہ دُور ہی اچھا   اگر ہے عشق تو قربِ حضور ہی اچھا
سُجھا دیا مجھے اے شیخ، چشمِ ساقی نے   غرورِ زہد سے مے کا سُرور ہی اچھا
ہزار ہوش ہیں قربان ایسے جلوے پر   جنابِ حضرتِ موسیٰ کو طور ہی اچھا
رہے نہ دل کے لیے کوئی مستقل مرکز   یہی ہے عقل، تو دل اس سے دُور ہی اچھا
دلِ شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں   سُنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چُور ہی اچھا

وہ مے نہیں رہی، نہ وہ پیمانہ رہ گیا   دنیا میں بزمِ جم کا اک افسانہ رہ گیا
غائب ہوئی پری، دل دیوانہ رہ گیا   افسوس شمع بجھ گئی، پروانہ رہ گیا

سرور و نور و وجد و حال ہو جائے گا سب پیدا   مگر لازم ہے، پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا
نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب   وہی پیدا کرے گا دن بھی، کی ہے جس نے شب پیدا

فرقتِ یار میں جینے کا سہارا کیا تھا   خوب تھی موت، سوا موت کے چارا کیا تھا
جان اللہ نے لی، جسم ہوا داخلِ گور   ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

دنیا کا دیدنی وہ تماشا نکل گیا   اب گرد رہ گئی ہے، یہ میلا نکل گیا
اب مادّے کے چھاننے والے ہی رہ گئے   رُوحانیات کا وہ اکھاڑا نکل گیا
موت آئی عشق میں تو ہمیں نیند آگئی   نکلی بدن سے جان تو کانٹا نکل گیا
میں خوش ہوا جو آپ نے دیں مجھ کو گالیاں   اچھا ہُوا، بخار تو دل کا نکل گیا
کیا دل لگاؤں موسمِ گُل سے میں اے صبا   اس کو بھی کچھ ثبات ہے، آیا نکل گیا
بازارِ مغربی کی ہوا سے خدا بچائے   میں کیا، مہاجنوں کا دوالا نکل گیا

کام کوئی مجھے باقی نہیں مرنے کے سوا   کچھ بھی کرنا نہیں اب، کچھ بھی نہ کرنے کے سوا
حسرتوں کا بھی مری تم کبھی کرتے ہو خیال   تم کو کچھ اور بھی آتا ہے سنورنے کے سوا
موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی   کچھ نہیں آتا تھا، اللہ سے ڈرنے کے سوا
محوِ حیرت ہی رہی بحر میں ہر چشمِ حباب   کچھ نہ تھی ہستیٔ امواج گذرنے کے سوا
میرے شکووں کو نہ پوچھیں، رہیں خاموش حضور   کچھ نہ بن آئے گی واللہ مکرنے کے سوا
عشق کے فن میں ہے اکبر کا بھی درجہ عالی   عیب کچھ اس میں نہیں ضبط نہ کرنے کے سوا

نہ باشد معتبر دل را سکون و اضطراب ایں جا   غم و شادیست گردِ کاروانِ انقلاب ایں جا
میاسا در ہجومِ جلوۂ دنیا کہ می بینم   سکونِ یک نفس سرمایۂ صد اضطراب ایں جا
فریبِ بحرِ ہستی مایۂ کبر است غافل را   بہ اوجِ چرخ خواہد سر کشیدن ہر حباب ایں جا
زِ ستّار آں بے خبر منشیں و از عقبیٰ مشو غافل   چہ خوش گفت اکبرِ خوش گو حساب آنجا، کتاب ایں جا

تو نے جسے بنایا، اُس کو بگاڑ ڈالا   اے چرخ میں نے اپنی عرضی کو پھاڑ ڈالا
برباد کیا اجل نے مجھ کو کیا؟ یہ کہیے   رُوحِ رواں نے اپنے دامن کو جھاڑ ڈالا
دستار و پیرہن گم اور جیب و کیسہ خالی   تہذیبِ مغربی نے ہم کو پچھاڑ ڈالا
بنیادِ دیں، ہوائے دنیا نے منہدم کی   طوفان نے شجر کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا
اچھا ملا نتیجہ مجھ کو مراسلت کا   قاصد کو قتل کر کے نامے کو پھاڑ ڈالا

پیغام آ رہا ہے دلِ بے قرار کا   قائم ہے سلسلہ مرے اشکوں کے تار کا
شائق ہُوا ہے بوسۂ دامانِ یار کا   اللہ رے حوصلہ مرے مشتِ غبار کا
باغِ جہاں میں کوئی روش بے خلش نہیں   دوڑاؤں گُل پہ ہاتھ تو کھٹکا ہے خار کا
شمس و قمر کو دیکھتے ہیں، تجھ کو بھُول کر   کیا شعبدہ ہے گردشِ لیل و نہار کا
آماجگاہِ تیرِ حوادث ہوں رات دن   پُتلا بنا ہُوا ہوں غمِ روزگار کا

اے جنوں دور ہے فطرت کی خود آرائی کا   دیدنی ہے یہ سماں لالۂ صحرائی کا
بڑھتا جاتا ہے اُدھر شوقِ خود آرائی کا   حوصلہ پست ہے یاں ضبط و شکیبائی کا
آپ کی یاد کو اللہ سلامت رکھے   مجھ پہ احسان ہے اس مونسِ تنہائی کا
سبز باغ آپ مرے اشکِ رواں کو نہ دکھائیں   موج پہ رنگ جمے گا نہ کبھی کائی کا

اے جاں شبِ فرقت میں، میں سو ہی نہیں سکتا   تجھ بِن مجھے نیند آئے، یہ ہو ہی نہیں سکتا
اس بحر میں ہوں مثلِ حباب، اے غمِ ہستی   طوفاں مری کشتی کو ڈبو ہی نہیں سکتا
خاکِ قدم اُس نے مری آنکھوں میں لگا دی   اب اور مصیبت ہے کہ رو ہی نہیں سکتا

ہوا ہے شب بھی ہے عنبر افشاں، عروج بھی ہے مہِ جبیں کا
نثار ہونے کی دو اجازت، محل نہیں ہے نہیں، نہیں کا
اگر ہو ذوقِ سجود پیدا، ستارہ ہو اوج پر جبیں کا
نشانِ سجدہ زمیں پر ہو تو فخر ہے وہ رُخِ زمیں کا
صبا بھی اس گل کے پاس آئی تو میرے دل کو ہوا یہ کھٹکا
کوئی شگوفہ نہ یہ کھلائے، پیام لائی نہ ہو کہیں کا
نہ مہر و مہ پر مری نظر ہے، نہ لالہ و گل کی کچھ خبر ہے
فروغِ دل کے لیے ہے کافی تصور اس روئے آتشیں کا
نہ علمِ فطرت میں تم ہو ماہر، نہ ذوقِ طاعت ہے تم سے ظاہر
یہ بے اصولی بہت بُری ہے، تمہیں نہ رکھے گی یہ کہیں کا

جسے اپنے کام کا پا گئی، اُسے اک نظر میں ملا لیا — تری چشمِ مست ہے وہ غضب مرے شیخ کو بھی پلا لیا
وہ فنا کے رنگ سے خوش نہ تھا، اُسے کب تھا میلِ شگفتگی — یہ فریبِ لطفِ نسیم تھا کہ کلی کو جس نے کھلا لیا
یہ گہرفشانی متصل، ہے فقط نتیجۂ جوشِ دل — نہ ہوا میں طالبِ انجمن، نہ کسی سے میں نے صلا لیا

جو دیکھی ہسٹری، اس بات پر کامل یقیں آیا — اُسے جینا نہیں آیا جسے مرنا نہیں آیا
ملی گردوں کو شرف بخشا ہے اقبالِ نصاریٰ نے — کہ جو مسلم اٹھا شوقِ ترقی میں، یہیں آیا
وہ اک دن تھا میاں کو عار تھا صاحب بھی بننے میں — پڑا اب سایۂ مغرب تو بی بی بھی نہیں آیا
ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہو اے اکبر — اُڑا جو ذرۂ عنصر، وہ پھر سوئے زمیں آیا

چھا گئی زردی چمن پر، جلوۂ گل ہو چکا — جورِ صرصر کے دن آئے، دورِ بلبل ہو چکا
واعظا تجھ کو مبارک سنبل و تقویٰ کے پیچ — اب تو دل میرا اسیرِ دامِ کاکل ہو چکا
بحرِ عرفاں کے لیے ہے کشتیِ دل لازمی — شور مت کر اس راہ میں الفاظ کا پُل ہو چکا
کیا دلِ آگاہ سینوں میں نہیں باقی رہے — سُنتے ہیں سرمایۂ اہلِ توکل ہو چکا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ، یہ نورِ ہدایت کیا کہنا — جبریل بھی ہیں شیدا اُن کے، یہ شانِ نبوت کیا کہنا
وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پُرنور ہوئی — یہ مہرِ ہدیٰ سبحان اللہ، یہ صبحِ سعادت کیا کہنا
جس دل میں ہو پرتو کرسی و عرش، اس دل کی بلندی جل علا — جس سینے میں قرآں اُترا ہو اس سینے کی عظمت کیا کہنا
تسبیح سے دنیا گونج اٹھی، تکبیر کا غل تا عرش گیا — تاثیرِ ہدایت صل علیٰ، یہ جوشِ عبادت کیا کہنا
نغمہ ہے ترا دلکش اکبر، مضمون ہے ترا پاکیزہ و تر — بلبل کے ترانے صل علیٰ، پھولوں کی لطافت کیا کہنا

عمل ان سے ہوا رخصت، عقیدوں میں خلل آیا — کوئی پوچھے کہ ان کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا
بیاں کرتا تھا بربادی کا اک برگِ خزاں دیدہ — رہا میں باغ میں دو دن، کفِ افسوس مل آیا
محلے میں نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزوں نے — تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جا کر کود اچھل آیا
جہانِ بے بقا سے کیا لگانے دل کوئی اکبر — گیا وہ آج پُر حسرت جو ارماں لیکے کل آیا

اشارہ ہے یہی بادِ صبا کا — چمن اک رنگ ہے اس کی ادا کا
نسیمِ صبح گاہی وجد میں ہے — عجب مطلب ہے بلبل کی صدا کا

عجیب برقِ بلا تھا نظارا اس حسن کا — وجود ہی نہ رہا دل میں تابِ دیدِ حسن کا
نسیم و گل کے تعلق پہ یہ نہیں غمّاز — خدا زیادہ کرے نورِ چشمِ نرگس کا

خرد کی تفرقہ جوئی سے انتشار رہا — ہمیشہ مجھ پہ یہ کہ بحث ہوتی . . .
نشانِ شوکتِ انساں بنے تو مٹ بھی گئے — خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا
بانکپن دل میں عقیدوں پہ وہ جوبن نہ رہا — کی ترقی تو بہت، پر وہ میاں پن نہ رہا
لانِ ٹینس کے لیے بن گئے سب ہی گلزار — ساتھ سبزے کے ہجومِ گل و سوسن نہ رہا

راز کھل جاتا ہمارے نالۂ فریاد کا — آپ سُنتے ہی نہیں قصہ دلِ ناشاد کا
آسماں نے دل کی بربادی کی کچھ پروا نہ کی — کھیل تھا، ویران کرنا خانۂ آباد کا
اُس نگاہِ حسرت آگیں سے نہایت تنگ ہوں — ہاتھ اٹھتا ہی نہیں مجھ پر کسی جلاد کا
مس ہوا ہے باغ کا ہے اب پروں کو ناگوار — اتنا خوگر ہو گیا ہوں کنجِ صیاد کا
میری نظروں سے گری ہمتِ دنیائے دنی — عرش منزل ہے یہ سیلِ طبع کی افتاد کا
اُن کے پرچے کے لیے اکبر نے کہہ دی یہ غزل — شکر ہے اترا تقاضا حضرتِ آزاد کا

اب تو ہے عشقِ بتاں میں زندگانی کا مزا — جب خدا کا سامنا ہوگا تو دیکھی جائے گا
ہے سببِ جوشِ جنوں کا رنجِ ہجراں اے حضور — آپ تو تشریف لائیں، ہوش بھی آ جائے گا

عشقِ بت میں کفر کا مجھ کو ادب کرنا پڑا — جو برہمن نے کہا آخر وہ سب کرنا پڑا
صبر کرنا فرقتِ محبوب میں سمجھے تھے سہل — کھل گیا اپنی سمجھ کا حال جب کرنا پڑا
تجربے نے حبِّ دنیا سے سکھایا احتراز — پہلے کہتے تھے فقط منہ سے اور اب کرنا پڑا
شیخ کی مجلس میں بھی مفلس کی کچھ پرسش نہیں — دیں کی خاطر سے دنیا کو طلب کرنا پڑا
کیا کہوں، بے خود ہوا میں کس نگاہِ مست سے — عقل کو بھی میری مستی کا ادب کرنا پڑا
اقتضا فطرت کا رکتا ہے کہیں اے ہم نشیں — شیخ صاحب کو بھی آخر کارِ شب کرنا پڑا
عالمِ ہستی کو تھا مدِ نظر کتمانِ راز — ایک شے کو دوسری شے کا سبب کرنا پڑا
شعرِ غیروں کے اُسے مطلق نہیں آئے پسند — حضرتِ اکبر کو بالآخر طلب کرنا پڑا

تیغیں نیام میں ہیں، اندازِ جنگ بدلا — خاموش ہیں زبانیں، محفل کا رنگ بدلا
مائی کو پوت کی اب مطلق خبر نہیں ہے — اسٹیمروں سے مل کر اندازِ گنگ بدلا

مجھ سے غمِ پنہاں کا بیاں ہو نہیں سکتا — دل سینے میں ہے منہ میں زباں، ہو نہیں سکتا
تم غیر کے پہلو میں ہو، میں بزم میں بیٹھوں — مجھ سے تو یہ اے جانِ جہاں، ہو نہیں سکتا
آنکھوں نے جو دیکھا ہے ترے حسن کا عالم — واللہ، زبانوں سے بیاں، ہو نہیں سکتا
معنی کی شعاعوں سے جو لکھا جاتا ہے دل پر — سچ یہ ہے، وہ لفظوں میں بیاں ہو نہیں سکتا
کس طرح کلیسا میں پڑھوں سورۂ احزاب — ظاہر ہے کہ یہ کام یہاں ہو نہیں سکتا
بہتر ہے کہ ہو صبر کی قوت میں ترقی — اُن پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا
اکبر تری باتیں کبھی ہوتی ہیں کہیں ختم — کیا حال ہے تیرا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

یقیں حُسنِ ادا کا بُتِ نکتہ چیں نے کیوں نہ کیا — نہ پوچھ، کہ اُس دُور بیں نے کیوں نہ کیا
جو دل میں آتی ہے اے واعظو، نہیں رُکتی — سکوت خوب ہے لیکن تمہیں نے کیوں نہ کیا
اٹھائی میرے زمانے کو زحمتِ دشنام — یہ کام آپ کی چینِ جبیں نے کیوں نہ کیا
مجھے تو ملتے ہیں افسانۂ عشق کے طعنے — نہاں جمال کو اپنے انہیں نے کیوں نہ کیا
ہمیں ہنسے تھے زیادہ گناہِ اکبر پہ — ہمیں کو اب ہے یہ حسرت ہمیں نے کیوں نہ کیا

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی — موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا
کوئی حسرت مرے دل میں کبھی آئی ہی نہیں — تھا ہی ایسا کہ یہ مقبولِ تمنا نہ ہوا
اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر — خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا
دل فریبی مری، دنیا نے تو بے حد چاہی — میری ہی ہمت و غیرت کا تقاضا نہ ہوا
ضبط سے کام لیا دل نے تو کیا فخر کروں — اس میں کیا عشق کی عزت تھی کہ رسوا نہ ہوا
مجھ کو حیرت ہے یہ کس پیچ میں آیا زاہد — دامِ ہستی میں پھنسا، زُلف کا سودا نہ ہوا
بیدریغ آپ پہ دی جان، کیا یہ میں نے — مرحبا منہ سے کہیں، آپ سے اتنا نہ ہوا

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا، جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر، جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا
فلک چلے ظالمانہ چالیں، مچائے اندھیر جتنا چاہے
زمانہ لے ہی گا کوئی کروٹ، نصیب ہے کس کا سو چکے گا
ہماری منزل کا ہے وہ دشمن، ہماری راہیں بگاڑتا ہے
کھلیں گے کچھ قدرتی شگوفے، جب اپنے کانٹے وہ بو چکے گا
مُرادِ اکبر بُتانِ کافر سے مل ہی جائے گی شاید اک دن
مُراد ملنے سے پہلے لیکن، یہ امتیاز اپنا کھو چکے گا

حیا سے سر جھکا لینا، ادا سے مسکرا دینا — حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا
یہ طرز احسان کرنے کا تمہیں کو زیب دیتا ہے — مرض میں مبتلا کر کے مریضوں کو دوا دینا
بلائیں لیتے ہیں اُن کی، ہم اُن پر جان دیتے ہیں — یہ سودا دید کے قابل ہے، کیا لینا ہے، کیا دینا
خدا کی یاد میں محویتِ دل، بادشاہی ہے — مگر آساں نہیں ہے ساری دنیا کو بھُلا دینا

دنیا سے میں نے کچھ بھی نہ چاہا — دل ہی نہ اُبھرا، جی ہی نہ چاہا
اس میں بُرائی کیا تھی جو میں نے — احیائے رسمِ دیرینہ چاہا

ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئے گا — خدا کا نام لیے جاؤ، کام آئے گا
ڈریں نہ حشر کی گرمی سے عاشقانِ رسولؐ — لگے گی پیاس تو کوثر کا جام آئے گا
رہے گا خوانِ فلک پر ضرر سے وہ محفوظ — جسے خیالِ حلال و حرام آئے گا
اگرچہ صبح کو پھیکے ہیں مثلِ مہ صائم — چمک اٹھیں گے یہ، جب وقتِ شام آئے گا

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اُس کا — جس کے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا
لاکھ رو دے کہ یہ جاتے ہیں اللہ و رسولؐ — دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا
ایک اس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبر — یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

یہ کیا صورت ہوئی پیدا، یہ ان کا ادعا کیسا — بُتانِ دیر کہتے ہیں، ہمیں دیکھو، خدا کیسا
ہمیں تو رنگ و بوئے گل پہ محویت ہے، مستی ہے — مریضوں کو خبر ہوگی کہ ہے اس کا مزا کیسا
بس آنکھیں بند ہوتی تھیں کہ بدلا ہوش کا عالم — کسے اب یاد، نقشہ عالمِ ہستی کا تھا کیسا
حلاوت زندگانی کی کہاں اس تلخ کامی میں — خدا کا حکم ہے، جیتے ہیں اے اکبر مزا کیسا

اے دورِ فلک، دنیا میں مجھے، اب لطف ذرا باقی نہ رہا — جب ہم نفس اپنے اُٹھ گئے سب، جینے کا مزا باقی نہ رہا
محرومی کا شکوہ بھول گئے یکتائی پر اپنی فخر ہوا — پیشِ درِ دولت میرے سوا جب کوئی گدا باقی نہ رہا

یہ پروانہ ہے جس نے دیدہ بازی کا ہنر جانا — اسی کا کام ہے، ذوقِ نظر میں جل کے مر جانا
یہی باتیں ہیں جن کی یاد تڑپا دیتی ہے دل کو — مرا انگڑائیاں لینا اور اس ظالم کا ڈر جانا
ہمارے دیر میں آ کر کبھی اے شیخ بیٹھو تو — نظر بُت پر نہ کرنا اللہ ہی اللہ کر جانا
دلِ مشتاق، اندیشوں سے کہتا ہے یہی ہر دم — اُسی کو ڈھونڈتے رہنا، جہاں ہونا جدھر جانا

کھلے گل[عہ]، بہار آئی، چمن کا سماں بدلا — ادھر آ، مرے ساقی، پلا دے مجھے صہبا
غموں سے رہائی ہو، تردد نہ رہ جائے — مزے میں غزل گاؤں، کسی کا نہ ہو کھٹکا
سمجھ میں مضرت ہے، مزا ہے جو مستی ہو — خدا پر بھروسا کر، عبث ہے غمِ فردا
کہاں ہیں جم و کسریٰ، کدھر ہے وہ بزم اُن کی — فنا کا تسلسل ہے، کسی کو نہیں رہنا

زمزموں سے کیوں نہیں ہے تجھ کو سیری عندلیب — کون سنتا ہے صدا گلشن میں تیری، عندلیب
پارک میں ان کے دیا کرتا ہے اسپیچِ وفا — زاغ ہو جائے گا اک دن آنریری عندلیب

سب سے کر قطعِ نظر بہرِ خیالِ رُوئے دوست — یا ہر اک شے کو سمجھ عکسِ جمالِ رُوئے دوست
گوشِ عارف کے لیے قائم ہے صوتِ سرمدی — ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اُس سے حالِ رُوئے دوست
گردشِ ارض و سما ہے خضرِ راہِ معرفت — مہر و ماہ ہیں شاہدِ اوجِ کمالِ رُوئے دوست

صد ہزاراں گلشنِ معنی براہ اُفتادہ است — تا مرا بر صورتے خوبش نگاہ اُفتادہ است
خار از دستت زلیخا را براہ اُفتادہ است — مژدہ بادا اے عشق، یوسف ہم بچاہ افتادہ است

بباغِ طبع زعشقِ تو رنگ و بوئے ہست — مرا بہ سینہ دلے ہست و آرزوئے ہست
زشورِ عالمِ ایجاد، بے خبر ہستم — کہ حیرت ست و نگاہِ من است و رُوئے ہست

شورِ بلبل، جوشِ گل، موجِ نسیم، انوارِ صبح — اللہ اللہ، کس قدر ہیں دل کشا آثارِ صبح
آفتابِ اوجِ سعادت کا ہے وہ روشن نفس — نُورِ طاعت جس سے ظاہر ہو دمِ آثارِ صبح
جلوۂ حق کے مقابل رُوئے بت ہے بے فروغ — ہے پیامِ مرگ شمعوں کے لیے دیدارِ صبح
واہ کیا کہنا ہے تیرا اے نسیمِ صبح خیز — تیرے دم سے ہے چمن میں گرمیِ بازارِ صبح
شب گذرتے ہی ہوئی برخاست بزمِ مے کشی — گردنِ مینا سے شاید اٹھ نہ سکتا بارِ صبح

عہ بحرِ طویل مخصوص بہ عرب۔ فعولن مفاعیلن، فعولن مفاعیلن

لہ SPEECH، تقریر — ۲ہ HONORARY، اعزازی

مدّتوں سے آج کل پڑھاتے ہیں وہ مجھے — صبح کو الفاظِ ارشام اور شام کو اقرارِ صبح
عاشقِ دنیا کو کیوں آئے خیالِ آخرت — کس نے پروانے کو پایا شائقِ دیدارِ صبح
خوابِ نوشیں سے ترا بیدار ہونا الاماں — یہ خمارِ نرگسِ مستانہ یہ آثارِ صبح
عہدِ پیری آگیا اکبر سنبھالو اپنے ہوش — خوابِ غفلت سے اٹھو، پیدا ہوئے آثارِ صبح

کروں میں کس طرح اس دورِ انقلاب کی مدح — ہنوز شرع میں جائز نہیں شراب کی مدح
مجال کیا، کوئی کہہ دے، خوشامدی مجھ کو — اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

بقیہ صیغے بھی ماضی بنیں گے حال کے بعد — رہا جو زندہ، وہ دیکھے گا بیس سال کے بعد
نظارۂ بُتِ بے دیں میں ہے بلا کی نحوست — اب اختیار ہے تم کو اس احتمال کے بعد
ہنسی خوشی سے ہے بہتر کنارہ کش ہونا — یہ لُطف کیا کہ جدا اُن سے ہوں ملال کے بعد
رہے نہ اہلِ بصیرت تو بے حسن دیکھے — فروغِ نفس ہُوا عقل کے زوال کے بعد
خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر — یہی وہ در ہے کہ ذلّت نہیں سوال کے بعد

رنج ہے زیرِ فلک عیش کی تمہید کے بعد — دیکھئے ماہِ محرم ہی پڑا عید کے بعد
جلوۂ حسن کچھ آساں نہیں اے دیدۂ شوق — حُور کا ذکر بھی ہے حشر کی تمہید کے بعد

فریاد ہے اُسی کی تپش سے زباں پر — پہلو میں دل نہیں ہے، مصیبت ہے جان پر
دونوں کا ارتباط خدا ہی کے ہاتھ ہے — دانہ تو زیرِ خاک ہے، ابر آسمان پر
دن کو بھی ان کے ملنے سے بہتر ہے احتراز — ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر
قبروں سے دوستوں کی بھرے ہیں سوادِ شہر — لوں کتنے نام، روؤں میں کس کس نشان پر
بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ — ناخوش کہیں نہ ہوں وہ ھُوالمستعان پر
جو ہے زباں پہ، دل کو نہیں اس سے فائدہ — جو دل میں ہے، وہ لا نہیں سکتے زبان پر
شکرِ خدا کہ شرم کی تکلیف سے بچے — یاروں کی اب تو جیب ہے مے کی دکان پر
افسانۂ بہار و زبانِ نسیم واہ — گُل جامہ چاک کرتے ہیں اس داستان پر
جوش اس کو کہتے ہیں کہ جو پیری میں بھی رہے — تقویٰ وہ ہے کہ جس کا اثر ہو جوان پر

از جمالت می تراود، ہر زماں شانے دگر — وز خیالت می دمد ہر دم، گلستانے دگر
انقلابے ہست در ذرّات و ہوشم ہر نفس — ہر زماں دارم ز تو جسمے دگر، جانے دگر
دل عطا کردی بمن، قربانِ احسانت شوم — درد بخشیدی بہ دل، ایں باشد احسانے دگر

تہذیب کے خلاف ہے جو لائے راہ پر — اب شاعری وہ ہے جو اُبھارے گناہ پر
کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ میں خوش ہوں یا ملول — یہ بات منحصر ہے تمہاری نگاہ پر
چہرے نے دی شہادتِ غم، زرد تر ہُوا — سختی یہ کیوں ہوئی مرے سچے گواہ پر

جو دیکھا غور سے، یہ بات ثابت ہو گئی آخر — وہی ظاہر، وہی باطن، وہی اوّل، وہی آخر
وہی غالب رہے، مجھ کو ہوئی شرمندگی آخر — نہ مانا آپ نے اور خاطرِ اغیار کی آخر

وہاں الفاظ خضرِ رہ تھے، یاں معنی ہیں منزل پر — زباں کا ان کو دعویٰ ہے تو مجھ کو ناز ہے دل پر

سماعت گوشِ گل میں ہے، نہ بینا دیدۂ نرگس — عجب کیا گر یہ شبنم جو ہے اس بزمِ غافل پر

مذہب کا ہو کیونکر علم و عمل، دل ہی نہیں بھائی ایک طرف — کرکٹ کی کھلائی، ایک طرف کالج کی پڑھائی ایک طرف
کیا ذوقِ عبادت ہو اُن کو جو بس کے لبوں کے شیدا ہیں — حلوائے بہشتی ایک طرف، ہوٹل کی مٹھائی ایک طرف
طاعون و تپ و کھٹمل مچھر سب کچھ ہے یہ پیدا کیچڑ سے — پیسے کی روانی ایک طرف اور ساری صفائی ایک طرف
مذہب کا تو دم وہ بھرتے ہیں بے پردہ بتوں کو کرتے ہیں — اسلام کا دعویٰ ایک طرف، یہ کافر ادائی ایک طرف
ہر سمت تو ہے اک دامِ بلا، رہ سکتے ہیں خوش کس طرح بھلا — اغیار کی کاوش ایک طرف آپس کی لڑائی ایک طرف
کیا کام چلے کیا رنگ جمے، کیا بات بنے، کون اس کی سنے — ہے اکبر بے کس ایک طرف اور ساری خدائی ایک طرف
فریاد کئے جائے اکبر، کچھ ہو ہی رہے گا آخر کار — اللہ سے توبہ ایک طرف صاحب کی دہائی ایک طرف

محفوظِ ذہن رکھیں ہر دور ہم کہاں تک — اوراقِ ہسٹری میں نقشِ قلم کہاں تک
ہر قطرہ اور ذرّہ ہے مورثِ حوادث — دفتر ترا کہاں تک، زورِ قلم کہاں تک
شخصی ہوں خواہ قومی، سب حالتیں ہیں فانی — کبر و غرور کب تک، جاہ و حشم کہاں تک
دیکھیں جو کچھ تو سمجھیں، پائیں جو کچھ تو جب میں — کب تک چناں چنیں یہ، قول و قسم کہاں تک
فطرت دکھا رہی دے گی ملحد کی بے ثباتی — عجزِ عرب کہاں تک، نازِ عجم کہاں تک
ناقص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے — ان پر وثوقِ صحت، اے محترم، کہاں تک
اے چرخ بددماغی کی تجھ کو کیا ضرورت — ناکامیوں پہ اپنی روئیں گے ہم کہاں تک
نعمت سمجھ بلا کو، لے لذّتِ تماشا — آخر یہ مخزنِ اشک، اے چشمِ نم کہاں تک
کہتے ہیں دوست اکبر کو دیکھ کر بحسرت — ہے اس کا دم غنیمت، لیکن یہ دم کہاں تک

قربِ منزل کا مجھے دیتے ہیں مژدہ کیا خضر — ضعف سے یاں تو ہے دو گام بھی چلنا مشکل
ناتوانی سے مٹا جاتا ہے آپس کا وہ میل — نبض کے ساتھ ہے اب سانس کو چلنا مشکل

ہیں ہوا پر کفر کے گیسو پریشاں ان دنوں — کوئے دل میں کیونکر آئے بوئے ایماں ان دنوں
علمِ دیں مفقود ہے، گُم ہے صراطِ مستقیم — خضرِ رہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں ان دنوں
اپنے اشتر کو یہ کیا لے جائے گا سوئے حجاز — مست خود ہے بینڈ کی گت پہ حُدی خواں ان دنوں
بڑھ رہا ہے کفر زلفِ علّت و معلول سے — حُسنِ فطرت ہے حجابِ رُوئے یزداں ان دنوں
شارحِ دیوانِ ہستی ہے قیاسِ مغربی — ہے ازل بھی تجربوں کے زیرِ فرماں ان دنوں
یاد کرتا ہے گذشتہ با اثر لاحول کو — شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطاں ان دنوں
کفر نے سائنس کے پردے میں پھیلائے ہیں پاؤں — بے زباں ہے بزمِ دل میں شمعِ ایماں ان دنوں
صورتِ امروز میں گُم ہے نگاہِ ناتواں — نقشِ فردا چشمِ باطن سے ہے پنہاں ان دنوں
زندگانی کی چمک سے دیدۂ عبرت ہے بند — کم نظر ہے جانبِ گورِ غریباں ان دنوں
ہے ایولیوشن[1] بس اک تفسیرِ ربّ العالمین — کاش اس نکتہ سے واقف ہوں مسلماں ان دنوں
مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ہی پر ختم ہے قولِ فٹسٹ[2] — کیوں عبث برپا ہے اتنا شورِ طفلاں ان دنوں
ہیں مشاغلِ محفلِ احباب کے ناگفتہ بہ — دم بخود بیٹھا ہے اکبر سا سخنداں ان دنوں
ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ سارے شعبدے — دیکھ تو ان کے یہاں مذہب کا ساماں ان دنوں

[1] EVOLUTION، ارتقاء [2] SURVIVAL OF THE FITTEST (مسئلۂ تنازع للبقا، یا بقائے اصلح) کی طرف اشارہ ہے۔

جن کے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں   اُن کی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں
کان نے ہوش کو الجھایا ہے افسانوں میں   آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں
مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں مے خانوں میں   واہ کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانوں میں
شیخ جی آپ کو اللہ سلامت رکھے   آپ کا دم بھی غنیمت ہے مسلمانوں میں
نامِ اللہ و رسولؐ اب تو میں کم سنتا ہوں   پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں
بڑھ کے منصور کی حالت مجھے وجد آتا ہے   خوب مجنون ہیں اللہ کے دیوانوں میں
گرمیٔ دل جو ہے منظور تو منطق پہ نہ جا   عشق ہے آگ لگانے کے لیے جانوں میں
جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبرؔ   مردِ عاقل ہے وہی، دہر کے مہمانوں میں

صاحبِ حُسن مری آہ سے خوش رہتے ہیں   جس طرح اہلِ سخن واہ سے خوش رہتے ہیں
ہر مصیبت کی یہ توجیہ کیا کرتا ہے   اس لیے ہم دلِ آگاہ سے خوش رہتے ہیں
قابلِ قدر طبیعت ہے ہماری اکبرؔ   ہیں مصیبت میں اور اللہ سے خوش رہتے ہیں

یہ نکتہ ہائے بصیرت افزا، جمالِ معنی میں کم نہیں ہیں   کہ شکلِ ظاہر جو دیکھتے ہو، ہمارا پرتو ہے ہم نہیں ہیں
کنارا کش ہو گئے ہیں اکبرؔ، نہ سوئے تعلق، نہ سوئے تردد   خوشی نہیں ہے یہی ہے اک غم، طرح طرح کے الم نہیں ہیں

کچھ آج علاجِ دلِ بیمار تو کر لیں   اے جانِ جہاں، آؤ ذرا پیار تو کر لیں
منہ ہم کو لگاتا ہی نہیں وہ بُتِ کافر   کہتا ہے، یہ اللہ سے انکار تو کر لیں
بیٹھے ہوئے ہیں، کام نکلتا ہے جنوں سے   کچھ تجربۂ سبحہ و زنار تو کر لیں
سو جان سے ہو جاؤں گا راضی میں سزا پہ   پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کر لیں
حج سے ہمیں انکار نہیں حضرتِ واعظ   طوفِ حرمِ کوچۂ دلدار تو کر لیں
منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوتِ اکبرؔ   خیر اس سے ہے کیا بحث، ہم اصرار تو کر لیں

یہ خیر اندیش بھی حاضر ہے مداحوں کے زمرے میں   اِدھر بھی اک نظر، اپنی خوش اخلاقی کے صدقے میں
تمہارے مصرعِ قامت کو لکھ کر کلکِ قدرت نے   دکھا دی خوبیٔ انشائے ہستی ایک جملے میں
اگر ڈھونڈو تو اکبرؔ میں بھی پاؤ گے ہُنر کوئی   اگر چاہو، نکالو عیب تم اچھے سے اچھے میں

کیا کہیں اوروں کو، یہ ویسے ہیں، وہ ایسے ہیں   سچ جو پوچھو تو ہمیں کون بہت اچھے ہیں
جلتے ہیں کہ اجل سر پہ کھڑی ہے، لیکن   محو ہیں انجمنِ دہر میں، خوش بیٹھے ہیں
عقل حیران ہے پروانوں کی اس حالت پر   شمع کو حس نہیں، یہ جان دے دیتے ہیں

منہ دیکھتے ہیں حضرت، احباب پی رہے ہیں   کیا شیخ اسی لیے اب دنیا میں جی رہے ہیں
میں نے کہا جو اس سے، ٹھکرا کے چل نہ ظالم   حیرت میں آ کے بولا، کیا آپ جی رہے ہیں
احباب اٹھ گئے سب، اب کون ہم نشیں ہو   واقف نہیں ہیں جن سے، باقی وہی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا اُٹھوامسوں کا   جو پھاڑتے تھے جامہ، اب کوٹ سی رہے ہیں

دل کو خود دیکھے جو وہ ترچھی نظر تو کیا کروں   چین سے رہنے نہ دے دردِ جگر تو کیا کروں
[illegible] کہ خواہش موت کی اچھی نہیں   زندگی بے لطف ہو جائے مگر تو کیا کروں
سینے سے پُرسوز آہیں [illegible] ہم نشیں   لب پہ آ کر یہ جو نکلیں بے اثر، تو کیا کروں

ہے خطا میری جو نکلے منہ سے لفظِ آرزو   آنکھ سے نکلے محبت کی نظر تو کیا کروں
دیر کیسا، دل ہی میں کر لیتے ہیں یہ بُت گذر   جلوہ گر ان کا خدا ہی کا ہو گھر تو کیا کروں

کھل گیا مجھ پہ درِ دل، اے حضور   غم نہیں، گر آپ کا در وا نہیں
آ گیا فضلِ خدا سے فنِ صبر   اب مصیبت کی مجھے پروا نہیں

کروں اُن سے اس کا میں کیا گلا کہ توجہ ان کی ادھر نہیں   مرا حال تو ہے یہ ہم نشیں کہ خود آپ اپنی خبر نہیں

گردشِ گردوں سے ہر دم وہمِ رنج افزا میں ہیں   یہ بھی اک سودا ہے، ورنہ کیا ہمیں دنیا میں ہیں

ناصحِ ناداں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں   کیا سمجھتا؟ عالمِ دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

عالم ہے بے خودی کا، مے کی دوکان پر ہیں   ساقی پہ ہیں نگاہیں، ہوش آسمان پر ہیں
دل اپنی ضد پہ قائم، وہ اپنی آن پر ہیں   جتنی مصیبتیں ہیں، سب میری جان پر ہیں
دنیا بدل گئی ہے، وہ ہیں ہمیں کہ اب تک   اپنے مقام پر ہیں، اپنے مکان پر ہیں
میرا وہ دل نہیں ہے جو ہم نشینِ لب ہو   یہ آپ ہیں کہ ہر دم اپنی زبان پر ہیں
پامال ہیں مگر ہیں ثابت قدم وفا میں   ہم مثلِ سنگِ در کے اس آستان پر ہیں
اب تک ہے یاد ہم کو اپنی بلند نامی   اب بھی مٹے ہوئے ہم مٹتے نشان پر ہیں
ہر در کو ہم نے پایا ہے جلوہ گاہ تیرا   نقشِ جبیں ہمارے ہر آستان پر ہیں
یہ صورتیں تمہاری، یہ ناز یہ ادائیں   قربان اے بتو ہم خالق کی شان پر ہیں
انداز وہ نظر کے، جو آرزو کو زد کیں   باتیں، جو کر دیں ساکت، اُن کی زبان پر ہیں
شکرِ خدا کہ اُن کے قدموں پہ سر ہے اپنا   اس وقت کچھ نہ پوچھو، ہم آسمان پر ہیں
یہ قطرہ ہائے شبنم ہیں زینتِ گُلِ تر   یا موتیوں کی لڑیاں اس گل کے کان پر ہیں
ہر ذرہ کو یہ عشقِ احمدؐ کا کہہ رہا ہے   جو اس زمین پر ہیں، وہ آسمان پر ہیں
اب تک سمجھ رہے ہیں دل میں مجھے مسلماں   قائم ہنوز یہ بُت اپنے گمان پر ہیں
اسلوبِ نظمِ اکبرؔ فطرت سے ہے قریں پر   الفاظ ہیں محل پر، معنی مکان پر ہیں

اک نقش مٹ گیا ہے، رہتے نشان پر ہیں   دل میں ہے داغِ حسرت، قصّے زبان پر ہیں
خلقت میں جلوۂ حق پاتے ہیں اہلِ عرفاں   آنکھیں زمین پر ہیں، دل آسمان پر ہیں
ہے دیدنی یہ گرمی، بازارِ کافری کی   گاہک بنا ہے تقویٰ، بُت بھی دکان پر ہیں
کرتا ہوں میں جو آہیں، کہتے ہیں یہ ہیں مہمل   یہ اعتراض اُن کے دل کی زبان پر ہیں
کرتی ہے بے خودی میں سوزِ دروں کو ظاہر   اے شمع، ہم تو عاشق تیری زبان پر ہیں
فریادِ مرغِ بسمل، سمجھو تڑپ کو اس کی   اس وقت بے کسی میں گویا زبان پر ہیں
آزاد و بے نوا ہیں، کیسا مکان و مسکن   بس جس نے دل میں جا دی، اس کے مکان پر ہیں
دیکھے لے نگاہِ حیراں، یہ عشوۂ حوادث   بے مول اے زلیخا یوسف دکان پر ہیں
مرحوم دل بھی کیا تھا، کیا حسرتیں تھیں اس میں   اب تک کچھ اس کی باتیں میری زبان پر ہیں
دنیا کی غفلتوں کی تصویر ہیں بگولے   بنیاد ہے ہوا پر، سر آسمان پر ہیں
امید ہے دوا کی، اہلِ سخن سے اکبرؔ   میرے حقوق بھی کچھ اردو زبان پر ہیں

دنہ بتوں میں نہیں ہے، خدا کو پائیں کہاں   اسی فراق میں کٹتے ہیں دن کہ جائیں کہاں
سکونِ دل کی طلب میں اٹھے ہیں گھبرا کر   پہونچ رہیں گے کہیں، تم سے کیا بتائیں کہاں
جنوں کی مشق بھی ہے، عاقلی بھی آتی ہے   یہ سوچتے ہیں کہ کس فن کو آزمائیں کہاں
خرد نے رُخ تو کیا بحرِ معرفت کی طرف   بشر کے دل میں یہ موجیں مگر سمائیں کہاں
یہ کہہ کے خونِ جگر مانگتا ہے غم دل سے   کہ تیرے گھر میں رہیں رات دن تو کھائیں کہاں
امید بوسۂ ابرو و زلف و چشم کسے   مرے نصیب کہاں اور یہ بلائیں کہاں
مفر نہیں ہے ہمیں خانقاہِ سید سے   قفس میں ہیں، تو اس اڈے کو چھوڑ جائیں کہاں

خدا کے واسطے دنیائے دوں سے منہ جو موڑے ہیں   وہی ہیں مستند انساں، مگر افسوس تھوڑے ہیں
مرے خطبے اثر ہیں اس نگاہِ تیز کے آگے   وہاں ہے تار بجلی کا، یہاں کاغذ کے گھوڑے ہیں
بتوں پر دسترس آساں نہیں اے اکبرِ ناداں   چھوئے ہیں پاؤں اُن کے جبکہ برسوں ہاتھ جوڑے ہیں

ہم کب شریک ہوتے ہیں دنیا کی جنگ میں   وہ اپنے رنگ میں ہے، ہم اپنی ترنگ میں
مفتوح ہو کے بھول گئے شیخ اپنی بحث   منطق شہید ہو گئی میدانِ جنگ میں
وسکی کی بو سے شیخ کی چتون بدل گئی   اُن کی نظر بھی مل گئی ساقی کے رنگ میں
تحقیرِ مولوی کی نہ کر اے گریجویٹ[1]   واللہ اب بھی فرد ہیں یہ اپنے ڈھنگ میں

بلبلِ دل کے لیے ہر داغ گلشن ہے یہاں   ہر نفس راہِ جنوں میں گل بدامن ہے یہاں
ہے تجلی نورِ حیرت کی ہر آہِ شعلہ بار   ہر تپش سینے کی برقِ طورِ ایمن ہے یہاں
شعلہ ہائے غم سے ہے نشو و نمائے باغِ دل   دامنِ ابرِ کرم ہر برقِ خرمن ہے یہاں
راحت و آرامِ جاں پر ہے مقدم یادِ دوست   راہِ غفلت جو چلے، وہ سانس دشمن ہے یہاں
منزلِ ذوقِ نظر ہے سالکوں کو پُرخطر   عکسِ نقشِ عالمِ ایجاد، رہزن ہے یہاں
شعلۂ غم سے دلِ سوزاں میں اک جان آ گئی   رُوح پرور اختلاطِ برق و خرمن ہے یہاں

کتابِ دل میں میری عاشقانہ دیکھ کر مضموں   کیا اس چشم نے ایما کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

مری بیتابیٔ دل پر ادا سے مسکراتے ہیں   قیامت کرتے ہیں، بجلی پہ وہ بجلی گراتے ہیں

فانی ہے حسنِ بُت، یہ میں کیا جانتا نہیں   مشکل یہ آ پڑی ہے کہ دل مانتا نہیں
فریاد ہی کے کاش طریقے ہوں منضبط   یک لخت ظلم کی بھی تو وہ ٹھانتا نہیں
اس انقلاب پر جو میں روؤں تو ہے بجا   مجھ کو وطن میں اب کوئی پہچانتا نہیں
کس رُخ چلوں، رسول تو دنیا سے اٹھ گئے   اللہ ہے، سو اُس کو میں پہچانتا نہیں
میرے لیے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام   اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں
اکبر ہنوز اُن سے ہے امیدوارِ لطف   بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہیں

جب وقف ہے زباں بتوں ہی کی راہ میں   دل بھی نہ رہ سکے گا خدا کی پناہ میں

بدلے ہی گا اک دن دورِ فلک، مایوس یہ ناحق ہم تم ہیں
گلزار میں ہے پھولوں کی دمک، افلاک پہ تاباں انجم ہیں
کیسا یہ اثر اس دور میں ہے، ساقی کی نظر بھی غور میں ہے
جو مست ہیں ان کو ہوش نہیں، جو ہوش میں ہیں وہ گم صم ہیں
ہر حال میں ہے خالق پہ نظر، ہم ان میں نہیں ہیں اے اکبر
جب نعمت ہو تو منطق ہے، جب آفت ہو تو گم صم ہیں

ظلم جتنے ہیں، ہمیں پر وہ کیے جاتے ہیں   ہم بھی ایسے ہیں کہ اس پر بھی جیے جاتے ہیں
شیخ کے حق میں اٹھا رکھا ہے کیا رندوں نے   ظرف انہیں کا ہے کہ سب کچھ یہ پیے جاتے ہیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امرِ ماضی ہیں   جو تلواریں چلاتے تھے، وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں
شراب اُڑتی ہے پبلک میں، ردا ہے خونِ تقویٰ کا   مزا ہے اب تو رندوں کو، نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

وہ شرارت سے مرے گھر سرِ شام آتے ہیں   یہ دکھانا ہے کہ غیروں کے پیام آتے ہیں
غیر کے ذکر میں کرتے نہیں میرا وہ لحاظ   تذکرے آتے ہیں اور نام بنام آتے ہیں
اعتبار اُن کا کر اکبر، جو ہیں پابندِ نماز   ہیں یہی لوگ کہ جو وقت پہ کام آتے ہیں
وعظ کالج میں جو کہہ آتے ہیں اکثر اکبر   کیا یہ گرتی ہوئی دیوار کو تھام آتے ہیں

حور مِس کو، مئے گل گوں کو پری کہتے ہیں   شیخ خوش ہوں کہ خفا، ہم تو کھری کہتے ہیں
اللہ اللہ یہ نورِ فلک و رنگِ زمیں   سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہیں
حسن کے باب میں اکبر کی سند ٹھیک نہیں   یہ تو ہر اک بتِ کمسن کو پری کہتے ہیں

میں نے دیکھی ہیں غزالوں کی بہت چالاکیاں   ہائے اِن آنکھوں کی سی، اُن میں کہاں بیباکیاں
روک دیں اُن میں حیا نے، نشہ کی بیباکیاں   رہ گئیں میری تمنا کی وہ سب چالاکیاں
ایک گردش میں کیا خون دو عالم کو مباح   چشمِ مستِ ناز کی اللہ رے سفاکیاں
بحرِ غم کو کر دیا افسردگی نے منجمد   ہو چکیں دردآشنا دل کی وہ سب تیراکیاں
دیکھ تو اے دستِ ساقی یہ مئے گل گوں کا جام   شیخ کی نیت کی رہ جائیں گی ساری پاکیاں
عیشِ باغِ اکبر کا جو تھا، اب وہ اک غم خانہ ہے   ذکرِ مرگِ آرزو ہے اور گرد و باکیاں

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہو گیا ہوں   اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہو گیا ہوں
کافی ہے سوزِ باطن انوارِ معرفت کو   اپنی ہی شمعِ دل کا فانوس ہو گیا ہوں

کتنی باتیں پیہم اس دورِ فنا میں ہو چکیں   ابتدائیں کتنی، داخل انتہا میں ہو چکیں
سوچ تو دل میں تو اے معروفِ حالِ صبح و شام   کتنی صبحیں ہو چکیں اور کتنی شامیں ہو چکیں
فکرِ دنیا انبساطِ دل سے ہے ناآشنا   آپ کی کلیاں شگفتہ اس ہوا میں ہو چکیں

ہر اک یہ کہتا ہے اب کارِ دیں تو کچھ بھی نہیں   یہ سچ بھی ہے کہ مزا بے یقیں تو کچھ بھی نہیں
تمام عمر یہاں خاک اُڑا کے دیکھ لیا   اب آسمان کو دیکھوں، زمیں تو کچھ بھی نہیں
مری نظر میں تو بس ہے انہیں سے رونقِ بزم   وہی نہیں ہیں جو اے ہم نشیں، تو کچھ بھی نہیں

---

[1] GRADUATE

حرم میں مجھ کو نظر آئے صرف زاہدِ خشک　　مکان خوب ہے لیکن مکیں تو کچھ بھی نہیں
ترے لبوں سے ہے البتہ اک حلاوتِ زیست　　نبات، قند، شکر، انگبیں تو کچھ بھی نہیں
دماغ اب تو مسوں کا ہے چرخِ چارم پر　　بڑھا دیا مری خواہش نے، تھیں تو کچھ بھی نہیں
بقولِ حضرتِ محشرؔ کلام شاعر کا　　پسند آئے تو سب کچھ، نہیں تو کچھ بھی نہیں
وہ کہتے ہیں کہ تمہیں ہو، جو کچھ ہو اے اکبرؔ　　ہم اپنے دل میں یہ کہتے، ہمیں تو کچھ بھی نہیں

بے دلیلوں سے نہیں پیدا، یقیں کیونکر کریں　　سارا عالم کہہ رہا ہے ہاں، نہیں کیونکر کریں
کس طرح دنیا کو چھوڑیں، ہے بنائے زندگی　　ہے مدارِ کارِ ملت، ترک دیں کیونکر کریں
مغربی علم و ہنر تو خوب ہے اکبرؔ مگر　　اپنی اس تعلیم پہ ہم آفریں کیونکر کریں

غضب ہیں ظاہری صورت کے جلوے بزمِ ہستی میں　　حقیقت پہ نظر رہتی نہیں غفلت کی مستی میں
فلک دیتا ہمیں کچھ اوج، اُرخ کرتے جو پستی کا　　خیالوں کی بلندی نے بٹھا رکھا ہے پستی میں

کسی کو یاں بقا نہیں، کوئی سدا رہا نہیں　　یہاں کا رنگ ہی یہ ہے، ہمیں تو کچھ گلا نہیں
ہمارا دور ہو چکا، زمانہ اب گیا بدل　　جہاں کا وہ چلن نہیں، فلک کی وہ ادا نہیں
[illegible] ہیں وہ بے ثمر، جو خود ہیں وہ خیرہ سر　　عطا نہیں، کرم نہیں، ادب نہیں، وفا نہیں
جو مال ہی پہ ہے نظر، تو خوک ہے اور ترا جگر　　مرض ہے جس کو حرص کا، کبھی اسے شفا نہیں
یہی تھی بس بنائے عاشقی، کبھی مری خبر نہ لی　　یہ کیا سبب نظر تری، مری طرف ذرا نہیں
غرور تھا، نمود تھی، ہٹو بچو کی تھی صدا　　اور آج تم سے کیا کہوں، لحد کا بھی پتا نہیں

بوسۂ زلفِ سیہ فام ملے گا کہ نہیں　　دل کا سودا ہے، مجھے دام ملے گا کہ نہیں
خط میں کیا لکھا ہے، قاصد کو خبر کیا اس کی　　پوچھتا ہے، مجھے انعام ملے گا کہ نہیں
میں تری مستِ نظر کا ہوں دعا گو ساقی　　صدقہ آنکھوں کا، کوئی جام ملے گا کہ نہیں
قبر پر فاتحہ پڑھنے کو نہ آئیں گے وہ کیا　　جان دینے کا کچھ انعام ملے گا کہ نہیں
بو کسی سمت سے آتی نہیں ہمدردی کی　　مجھ کو مجھ سا کوئی ناکام ملے گا کہ نہیں
جستجو ہی میں وہ لذت ہے کہ اللہ اللہ　　کیوں میں پوچھوں، وہ دلآرام ملے گا کہ نہیں
آرزو مرگ کی تم کرتے ہو اکبرؔ لیکن　　سوچ لو، قبر میں آرام ملے گا کہ نہیں

جس خرابی کا نہیں باقی رہا، غم کیا کریں　　مرگِ دل سے ہو گئی تسکین، ماتم کیا کریں
تیغِ قاتل چل رہی ہے ان دنوں مثلِ نسیم　　ہے بہارِ زخمِ دل کش، فکرِ مرہم کیا کریں
مرشدوں میں سے تو ہر اک جانتا ہے اپنا کام　　یاں مرید اب تک نہیں واقف ہوئے، ہم کیا کریں
شیخ کہتے ہیں کہ مے پینا نہیں از راہِ خوف　　گردنِ مینا کو اُس کے سامنے خم کیا کریں
خوفِ حق، عشقِ بتاں، نازک ہیں دونوں مسئلے　　سخت مشکل ہے، زیادہ کیا کریں کم کیا کریں
پھر مزا گیہوں کا، کچھ حوا کے کہنے کا خیال　　آپ ہی کہیے کہ اس موقع پہ آدم کیا کریں
میری بے چینیاں اور ان کا کہنا ناز سے　　ہنس کے تم سے بولتے ہیں اور اب ہم کیا کریں

بے وقت کا راگ ہے نہ سُنیے　　واعظ کو مگر جھنجوڑیے کیوں

ہے تگاپو اس قدر، مرکز مگر کوئی نہیں　　فرنچر ہم لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں
کہتی ہیں آہیں، کریں گے تیرے دل کا ہم ریفارم[1]　　سب مگر شہرت طلب ہیں، باثر کوئی نہیں
کیمپ[3] میں پاتا ہوں یاروں کو جو کو دن بیشتر　　یہ اثر ہے اصطبل کا، ورنہ خر کوئی نہیں

اِدھر اُترا ہے چہرہ کوہکن کا کوہ پر چڑھ کر　　اُدھر کب تخت پر سے حضرتِ پرویز اُترے ہیں
حرم والوں سے کیا نسبت بھلا ہم اہلِ ہوٹل کو　　وہاں قرآن اُترا ہے، یہاں انگریز اُترے ہیں
مرے الفاظ کا رنگ آج مستانِ سخن دیکھیں　　یہ شیشے بادۂ مضموں کے کتنے تیز اُترے ہیں

دہر میں سوختۂ گرمیِ بازار نہ ہو　　دل میں ہو خون تو سودا کا خریدار نہ ہو
نقشِ دل ہو صفتِ معنیِ رنگیں اے دوست　　رنگِ ظاہر پہ نہ جا، نقش بہ دیوار نہ ہو
جنگ جوئی فصحا رکھ نہیں سکتے جائز　　ان کی خواہش ہے کہ لفظوں کی بھی تکرار نہ ہو
سانس کی طرح چلے منزلِ ہستی میں بشر　　مدعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بے کار نہ ہو
نہیں آزاد جو اپنوں سے تعلق کرے قطع　　وہ ہے آزاد جو غیروں کا گرفتار نہ ہو
سرو سے بھی رہوں آزاد تر اس گلشن میں　　نخلِ ہستی پہ مرے برگ کا بھی بار نہ ہو
مقدرت شرط ہے ہر چند کہ ہو قدر شناس　　بے بصیرت نہ سمجھ گو کہ خریدار نہ ہو
بزم ہے شعلہ مزاجوں کی، سنبھل اے اکبرؔ　　برقِ خرمن کہیں یہ گرمیِ گفتار نہ ہو

اے بُتو، بہرِ خدا درپئے آزار نہ ہو　　خیر راحت نہ سہی، زیست تو دشوار نہ ہو
یارب ایسا کوئی بت خانہ عطا کر جس میں　　ایسی گزرے کہ تصور بھی گنہگار نہ ہو
معترض ہو نہ مری عزلت و خاموشی پر　　کیا کروں جبکہ کوئی محرمِ اسرار نہ ہو
کیا وہ مستی کہ دمِ چند میں تکلیفِ خمار　　مست وہ ہے کہ قیامت میں بھی ہشیار نہ ہو
جانِ فرقت میں نہ نکلی تو مجھے کیوں ہو عزیز　　دوست وہ کیا جو مصیبت میں مددگار نہ ہو
ناز کہتا ہے کہ زیور سے ہو تزئینِ جمال　　نازکی کہتی ہے سرمہ بھی کہیں بار نہ ہو
دل وہ ہے جس کو ہو سودائے جمالِ معنی　　آنکھ وہ ہے کہ جو صورت کی خریدار نہ ہو
دلِ پُر داغ کو ارماں کہ گلے ان کو لگائے　　ان کو یہ ڈر کہ گلے کا یہ کہیں ہار نہ ہو

عاشقِ چشمِ سیہ مست تو زنہار نہ ہو　　دیکھ اس جان کی گاہک کا خریدار نہ ہو
ہر غبارِ رہِ اُلفت ہے مرا سرمۂ چشم　　دل یہ کہتا ہے کہ یہ خاکِ درِ یار نہ ہو
لن ترانی کی خبر عشق نے سن رکھی ہے　　پھر بھی مشکل ہے کہ وہ طالبِ دیدار نہ ہو
تم کو سودائے ستم کیوں ہے جو ہے شوقِ فروغ　　کیا تلطف سببِ گرمیِ بازار نہ ہو
قیمتِ دل تو گھٹانے کا نہیں میں اکبرؔ　　بے بصیرت نہیں ہوتا جو خریدار نہ ہو

قلزم کی تہ ٹٹولو، یا ایرشپ[2] میں جھولو　　جب بھی یہی کہوں گا، اللہ کو نہ بھولو
زخمی کیا جو تم نے ترچھی نظر سے مجھ کو　　برچھی کا یہ تو کھیل ہے، اس پر بہت نہ پھولو
باغ و چمن چھڑایا دورِ فلک نے ہم سے　　سائے میں اپنے ہم کو، لے لو اب اے ببولو
خاکی نہاد ہم ہیں، مائل ہیں خاک ہی پر　　شعلوں سے کوئی کہہ دے، تم آسمان چھو لو
برباد و منتشر بھی ہو گے اسی ہوا سے　　کس زعم میں اٹھے ہو، تن کر تم اے بگولو

۱؎ REFORM ، اصلاح
۲؎ AIRSHIP ، ہوائی جہاز
۳؎ CAMP

ہنگامۂ جہاں سے آزردہ ہو گئے اکبر   گوشے میں جا کے بیٹھو اور جام و سبو لو

ہو اگر ہمتِ عالی، دلِ آگاہ کے ساتھ   غیر ممکن ہے، محبت نہ ہو اللہ کے ساتھ
طفلِ دل چھوڑے نہ دامانِ قناعت ہرگز   یہی بہتر ہے، رہے اپنے بہی خواہ کے ساتھ
اس ترقی کو ترقی میں کہوں گا اکبر   خود بھی بڑھتے رہیں احباب جو تنخواہ کے ساتھ
بے بصیرت پہ ہدایت نے کیا کچھ نہ اثر   ہے یہ افسوس کہ [illegible] راہ کے ساتھ
رنگ تیرا ہمیں مطبوع نہیں اے دنیا   تم میں ہم جی تو رہے ہیں مگر اکراہ کے ساتھ
دوست کہتے ہیں تغزل نہیں تجھ میں اکبر   دل لگانا ہی پڑا اب [illegible] گمراہ کے ساتھ

دیکھئے ربطِ نسیمِ سحر و غنچہ و گل   یہ نہیں دل کھل کے ملتے ہیں ہوا خواہ کے ساتھ
شورِ تحسیں تو سخن پر ہے تمہارے اکبر   زر کی جھنکار بھی سنتے ہو کہیں واہ کے ساتھ

ہو گیا عشق تری زلفِ گرہ گیر کے ساتھ   سلسلہ دل کا ملا تھا اسی زنجیر کے ساتھ
لذتیں کرتی ہیں انسان کو دنیا میں ہلاک   زہر دیتی ہے یہ ظالم شکر و شیر کے ساتھ
پیار کے ساتھ خوشامد بھی کروں گا شبِ وصل   ہے یہ لازم کہ دعائیں بھی ہوں تدبیر کے ساتھ
جنبشِ ابروئے قاتل کا اشارہ ہے یہی   کام چلتا ہے جو دنیا میں تو شمشیر کے ساتھ
عمر زنداں میں کٹی، شوقِ رہائی رخصت   ہو گیا اُنس مرے پاؤں کو زنجیر کے ساتھ
یاں کے معشوقوں کو مرشد نہ کریں کیوں آزاد   زہرہ جب ناچ رہی ہے فلکِ پیر کے ساتھ
[illegible] ہے نغمۂ بلبل سے چمن میں اکبر   آپ محفل میں سنیں راگ مزامیر کے ساتھ

میری تقدیر موافق نہ تھی تدبیر کے ساتھ   کھل گئی آنکھ نگہباں کی بھی زنجیر کے ساتھ
کھل گیا مصحفِ رخسارِ بتانِ مغرب   ہو گئے شیخ بھی حاضر نئی تفسیر کے ساتھ
ناتوانی مری دیکھی تو مصور نے کہا   ڈر ہے تم بھی کہیں کھنچ آؤ نہ تصویر کے ساتھ
ہو گیا طائرِ دل صیدِ نگاہِ بے قصد   سعی بازو کی یہاں شرط نہ تھی تیر کے ساتھ
لحظہ لحظہ ہے ترقی پہ ترا حسن و جمال   جس کو شک ہو، تجھے دیکھے تری تصویر کے ساتھ
بعد سید کے میں کالج کا کروں کیا درشن   اب محبت نہ رہی اس بتِ بے پیر کے ساتھ
میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں اکبر   ناسخ و ذوق بھی جب چل نہ سکے میر کے ساتھ

رات پروانہ یہ کہتا تھا عجب ناز کے ساتھ   خضر کا کام نہیں سالکِ جانباز کے ساتھ
شانِ مذہب پہ رہا فلسفہ حیران مُدام   اس قدر جوشِ جنوں اور اس اعزاز کے ساتھ
کیا ہوا کوئی جو اکبر کا ہم آہنگ نہیں   باغ میں نغمۂ بلبل بھی نہیں ساز کے ساتھ

مجھ کو محبت اب نہ رہی زندگی کے ساتھ   کیا زندگی گذر نہ سکے جب خوشی کے ساتھ
خلقِ نکو کو سب نے خوشامد سمجھ لیا   کیا کیا مصیبتیں ہیں غریب آدمی کے ساتھ

یہ ابرِ زلف یہ برقِ نظر، معاذ اللہ   اگرچہ حسین ہے دلکش مگر معاذ اللہ
میں کیا کہوں شبِ فرقت میں مجھ پہ کیا گزری   عجیب حال رہا رات بھر، معاذ اللہ
بتوں کے عشق میں کیا کچھ نہیں کیا میں نے   بہت رہی ہے لبِ شیخ پر، معاذ اللہ
طلسمِ حسنِ بتاں کے نہ پوچھیے احوال   دہن کا ذکر ہی کیا، ہے کمر معاذ اللہ
جنابِ شیخ، پھر آخر بسر کروں کیونکر   جدھر اٹھاتا ہوں آنکھیں اُدھر معاذ اللہ
جو منہ لگائے وہ بت، شیخ بھی پڑھیں الحمد   یہ دور ہی سے ہے بس اس قدر معاذ اللہ
فریبِ چشم ہے خوانِ جہاں کا رنگ اکبر   مزا زبان کا نقشہ و اثر معاذ اللہ

یہ عمر، یہ حسن اور ناز و ادا، اس پر یہ سنگار اللہ اللہ   مستی نگہ، اُف اُف کی جگہ، سینے کا ابھار اللہ اللہ
یہ گیسوئے پیچاں دامِ خرد، یہ نرگسِ فتاں دشمنِ دیں   یہ عارضِ رنگیں غیرتِ گل، مستی کی بہار اللہ اللہ
گالوں میں ہے کندن کی دمک، بالوں میں ہے عنبر کی مہک   سینے پہ جواہر کی یہ چمک اور اس پہ یہ ہار اللہ اللہ
بکھری ہوئی زلفیں دامِ بلا، یہ جنبشِ مژگاں تیرِ قضا   تقویٰ کی عدو یہ لغزشِ پا، یہ رنگِ خمار اللہ اللہ
خود خانۂ قدرت نازاں ہے، ہر چشمِ تماشا حیراں ہے   اس صفحۂ عنصر خاکی پہ یہ نقش و نگار اللہ اللہ
اسلام میں اکبر کو یہ غلو، یہ رنگِ ورع، یہ زہد کی بو   اور اُس بتِ کافر کا اُن کو یہ عشق، یہ پیار اللہ اللہ

کیا ہے دورِ فلک میں کوئی تمکین کے ساتھ   جب زمانہ نہ چلے ایک ہی آئین کے ساتھ
غرب کی مدح بھی ہے شرق کی تحسین کے ساتھ   ہم پیانو بھی بجانے لگے اب بین کے ساتھ
اس تماشا گہِ ہستی میں مجھے حیرت ہے   اک نیا فلسفہ ہو جاتا ہے ہر سین کے ساتھ
شیخ ڈرتے ہیں کہیں دم نہ نکل جائے مرا   اُنس اس وجہ سے کم رکھتے ہیں یاسین کے ساتھ
مخلصانہ جو نہ ہو مدح تو کیا لطف آئے   چشمِ غماز کی گردش بھی ہے تحسین کے ساتھ
دل دیا، مال دیا، پیار کیا اُن کو مگر   اُن بتوں کو وہی کاوش ہے مرے دین کے ساتھ

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ   حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ
سوچ تجھ کو ہے اگر آئندہ پالیٹکس[1] کی   لے نتائج سے مدد اور ہسٹری[2] میں فال دیکھ
شوقِ طول و پیچ اس ظلمت کدہ میں ہے اگر   بات بنگالی کی سن، بنگالنوں کے بال دیکھ
دل یہ کہتا ہے کہ ہجرت ہند سے لازم ہے اب   عقل کہتی ہے کہ اکبر اور دو اک سال دیکھ
حسن میں پڑ کر نظر، مذہب اگر جاتا ہے جائے   قدرداں کو نرخ کی کیا بحث، اکبر مال دیکھ

ہنر سے بھی فوائد ہم کو حاصل ہو نہیں سکتے   سبب یہ ہے کہ ہم آپس میں یک دل ہو نہیں سکتے
حکومت ایشیا پر قسمتِ مغرب میں ہے جب تک   کمالات اس کے جو ہیں، ہم کو حاصل ہو نہیں سکتے
اثر ہے طاعت و حسنِ عمل کا گو کہ قسمت پر   مگر اس انجمن میں لوگ داخل ہو نہیں سکتے
معین ہی نہیں جن کے اصول و ماخذ اے اکبر   قیامت تک وہ سرداری کے قابل ہو نہیں سکتے

اگر اندازۂ قوت سے تمنا نہ بڑھے   رنج پیدا بھی جو ہو دل میں، تو اتنا نہ بڑھے
حرص گھٹ جائے، وہی نعمتِ عظمیٰ ہو گی   میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھے

اسی مٹی کو دیکھ اکبر اگر ذوقِ تعقل ہے   کہیں ٹہنی، کہیں پتی، کہیں غنچہ، کہیں گل ہے
وہی انساں، وہی آنکھیں، وہی جینا، وہی مرنا   کہیں اللہ اکبر ہے، کہیں الحاد کا غل ہے
گلستانِ سخن ہے بزمِ ساقی فیضِ معنیٰ سے   زبانِ خامۂ اکبر ہے یا منقارِ بلبل ہے

منظور مجھے شکوۂ بیدادِ بتاں ہے   للہ بتا دے کوئی، اللہ کہاں ہے

---

[1] POLITICS سیاسیات [2] HISTORY تاریخ

ہُوا ہوں شاہِ جنوں کی خوش انتظامی سے   خدا بچائے مجھے ہوش کی غلامی سے
نشانِ کھو کے بگولے کی طرح اٹھتے ہیں   تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے
اٹھے گا فتنۂ محشر تو اُن کا کیا نقصان!   وہ باز آئیں گے کیوں مشقِ خوش خرامی سے

* * *

رنگ دیکھے جہانِ فانی کے   کھیل ہیں دورِ آسمانی کے
شیخ سے مجھ سے اب نہیں ہے بگاڑ   ہو چکے ولولے جوانی کے

* * *

منزلوں دور اُن کی دانش سے خدا کی ذات ہے   خوردبین اور دوربین تک ان کی بس اوقات ہے

* * *

تکلف انہیں سے لیے کیجیے   فقیروں کی کیا ہے، جہاں پڑ رہے
بُتوں سے بھی لڑتی نہیں یاں تو آنکھ   برہمن ہیں لندن تلک لڑ رہے

* * *

طلب ہے حق کی تو مل آکے ہم مستوں سے   نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

* * *

حلقے نہیں ہیں زُلف کے، حلقے ہیں جال کے   ہاں اے نگاہِ شوق، ذرا دیکھ بھال کے
پہنچے ہیں تا کمر جو ترے گیسوئے رسا   معنیٰ یہ ہیں، کمر بھی برابر ہے بال کے
بوس و کنار و وصلِ حسیناں ہے خوب شغل   کمتر بزرگ ہوں گے خلاف اس خیال کے
قامت سے تیرے صانعِ قدرت نے اے حسین   دکھلا دیا ہے حشر کو سانچے میں ڈھال کے
شانِ دماغِ عشق کے جلوے سے یہ بڑھی   رکھتا ہے ہوش بھی قدم اپنے سنبھال کے
زینت مقدمہ ہے مصیبت کا دہر میں   سب شمع کو جلاتے ہیں سانچے میں ڈھال کے
ہستیٔ حق کے سامنے کیا اصلِ این و آں   پُتلے ہیں سب یہ آپ کے وہم و خیال کے
تلوار لے کے اٹھتا ہے ہر طالبِ فروغ   دورِ فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے
پیچیدہ زندگی کے کرو تم مقدمے   دکھلا ہی دے گی موت نتیجہ نکال کے

* * *

دلکش صدائے صُور تو ایسی نہ تھی مگر   تعظیمِ حشر کے لیے سب اٹھ کھڑے ہوئے
تہذیبِ مغربی کی بھی ہے وارنش غضب   ہم کیا جنابِ شیخ بھی چکنے گھڑے ہوئے

* * *

نکل جائے دم غم سے جب آہ نکلے   مصیبت میں ہوں کوئی تو راہ نکلے
میں سمجھا تھا گنجِ قناعت کا ساتھی   مگر آپ تو شائقِ جاہ نکلے
مزاجِ شریف ان میں باقی نہیں ہے   تو کیا منہ سے الحمدللہ نکلے
ترے بعد اکبر کہاں ایسی نظمیں   وہ دل ہی نہ ہوں گے کہ یہ آہ نکلے

* * *

دل زُلف کے کوچے میں شاداں نہ رہا پھر کے   صد شکر کہ بچ نکلا احسان سے کافر کے
ایمان کے دشمن ہیں جلوے بُتِ کافر کے   فتنے تو ذرا دیکھو ترکیبِ عناصر کے
اے غولِ ہوس کب تک یہ شمعِ فریب آخر   رہرو تو تھے سب ہیں ظلمت ہی میں ہر پھر کے
بھائے جو نہ ہم تجھ کو، کر ناز نہ اے دنیا   ہم عرش پہ پہنچے ہیں، نظروں سے تری گر کے
باطن نہ کرے تیرہ، مقبول ہے وہ ظاہر   رکھتے ہیں نظر ہم بھی، منکر نہیں ظاہر کے
گزرے جب اِدھر سے وہ سرگرمِ فغاں تھا میں   تسکین تو کیا دیتے، دیکھا بھی نہیں پھر کے
اسٹیج پہ دنیا کے کیا سین دکھاؤ گے   کیا لطف اٹھا پردہ، درجے سے اگر گر کے

* * *

دنیا کو اقامت کا سمجھے ہو محل شاید   ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے
حصے میں بُتوں ہی کے آئی تری عمر اکبر   اللہ کو اب دے دے دو دن تو یہ آخر کے

* * *

میں شیفتہ ہوں آپ سے بے مثل حسیں کا   حیراں ہوں مرے کام سنور کیوں نہیں جاتے
جب کہتا ہوں، مرتا ہوں مری جان ہیں تم پر   فرماتے ہیں، مرتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے
وہ نیند میں ہیں، شہر میں پھرنے لگے پہرے   پوچھے کوئی اکبر سے، یہ گھر کیوں نہیں جاتے

* * *

دشمنِ راحت جوانی میں طبیعت ہو گئی   جس حسیں سے مل گئیں آنکھیں، محبت ہو گئی
باغِ ہستی میں مری ناکامیوں کا رنگ دیکھ   جو تمنا دل میں آئی داغِ حسرت ہو گئی
لکھ دیا تمکینِ دیں کو تو نے اے نقشِ نمود   عزتِ اصلی نثارِ نامِ عزت ہو گئی
شیخ دم سازِ پیانو ہو کے بھولے اپنی لے   گو سُریلے ہو گئے لیکن بُری گت ہو گئی

* * *

ہر جنبشِ نگاہِ خرد، اِک حجاب ہے   عارض پہ اُن کے جلوۂ ہستی نقاب ہے
آرام کی تلاش نے رکھا ہے بے قرار   ہر خواہشِ سکوں سببِ اضطراب ہے

* * *

نہ روحِ مذہب، نہ قلبِ عارف، نہ شاعرانہ زبان باقی   زمیں ہماری بدل گئی ہے اگرچہ ہے آسمان باقی
شبِ گزشتہ کے ساز و ساماں کے اب کہاں ہیں نشان باقی   زبانِ شمعِ سحر پہ حسرت کی رہ گئی داستان باقی
جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ بنتے ہیں صاف منکر   خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رخصت گمان باقی
فضول ہے ان کی بد دماغی کہاں ہے فریاد اب لبوں تک   یہ وار پر وار اب عبث ہیں کہاں بدن میں ہے جان باقی
میں اپنے مٹنے کے غم میں نالاں اُدھر زمانہ ہے شاد و خنداں   اشارہ کرتی ہے چشمِ دوراں جوان باقی، جہان باقی
اسی لیے رہ گئی ہیں آنکھیں کہ میرے مٹنے کا رنگ دیکھیں   سنوں وہ باتیں جو ہوش اڑائیں اسی لیے ہیں یہ کان باقی
تعجب آتا ہے طفلِ دل پر کہ ہو گیا مستِ نظمِ اکبر   ابھی مڈل پاس تک نہیں ہے، بہت سے ہیں امتحان باقی

* * *

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے   ڈاکا تو نہیں مارا، چوری تو نہیں کی ہے
ناتجربہ کاری سے واعظ کی یہ ہیں باتیں   اس رنگ کو کیا جانے، پوچھو تو کبھی پی ہے
اُس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ   مقصود ہے اُس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے
اے شوق وہی مے پی، اے ہوش ذرا سو جا   مہمانِ نظر اس دم، اک برقِ تجلی ہے
واں دل میں کہ صدمے دو، یاں جی میں کہ سب سہہ لو   اُن کا بھی عجب دل ہے، میرا بھی عجب جی ہے
ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے   ہر سانس یہ کہتی ہے، ہم ہیں تو خدا بھی ہے
سورج میں لگے دھبا، فطرت کے کرشمے ہیں   بُت ہم کو کہیں کافر، اللہ کی مرضی ہے
تعلیم کا شور ایسا، تہذیب کا غل اتنا   برکت جو نہیں ہوتی، نیت کی خرابی ہے
سچ کہتے ہیں شیخ اکبر ہے طاعتِ حق لازم   ہاں ترکِ مے و شاہد یہ ان کی بزرگی ہے

* * *

دیکھیں پروانے کو، دعووں پہ ابھرنے والے   عشق اسے کہتے ہیں، یوں مرتے ہیں مرنے والے
نہ رہا یاد انہیں کیا اثرِ فصلِ خزاں   کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنے والے
تیز رفتار نہ ہو اس قدر اے موجِ فنا   تجھ میں کچھ قطرے ہوا سے ہیں ابھرنے والے
حیرت انگیز ہے یہ رعبِ بُتاں اے اکبر   ان سے اب ڈرتے ہیں اللہ سے ڈرنے والے

* * *

جلوۂ گل نے چمن میں مجھے بے چین کیا   مل ہی جاتے ہیں تری یاد دلانے والے

رونق آج ہے اس بزم میں دنیا کا جمال — دم بخود بیٹھے ہیں عقبیٰ سے ڈرانے والے
چشمِ بد دور جنوں کی ہے ترقی مجھ میں — کیوں نہ ہوں مست میں خود ہوش میں لانے والے
آج بنگلے میں مرے آئی تھی آوازِ اذاں! — جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے
نہ انہیں ساز کی حاجت ہے نہ سامع کی تلاش — خوب ہیں نسلِ بہاری کے یہ گانے والے
تیغِ قاتل نے یہ کیا اپنے دکھائے جوہر — سر بکف پھرتے ہیں اب جان چھڑانے والے

ذوقِ عرفاں جو نہ ہو، بادہ پرستی اچھی — ہوش اگر دین سے غافل ہو تو مستی اچھی
بُت جو بنگلے میں ہیں تو ہم یادِ خدا کیوں نہ کریں — ہم غریبوں کو وہی شے جو ہے سستی، اچھی
بحث اس وقت نہیں مقبرہ و مسجد کی — مگر الحاد سے ارواح پرستی اچھی
شیخ ہوں شہر میں اور کیمپ میں سید ہوں یہ کیا — جس میں مل جل کے رہیں سب وہی بستی اچھی

مریدِ دہر ہوئے وضعِ مغربی کر لی — نئے جنم کی تمنا میں خودکشی کر لی
نگاہِ نازِ بتاں پر نثار دل کو کیا — زمانہ دیکھ کے دشمن سے دوستی کر لی
جو حسنِ بت کی جگہ علمِ مس ہوا قائم — تو عشق چھوڑ کے ہم نے بھی نوکری کر لی
زوالِ قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب — تجارت آپ نے کی ترک، نوکری کر لی

شکوۂ بیداد سے مجھ کو تو ڈرنا چاہیئے — دل میں لیکن آپ کو انصاف کرنا چاہیئے
ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب — اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیئے
جمع سامانِ خود آرائی ہے لیکن اے عزیز — جس کی صورت خوب ہو اس کو سنورنا چاہیئے
کیوں نہ لوں نامِ خدا اس بُت کی صورت دیکھ کر — لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ کے مرنا چاہیئے
بر سرِ فرزندِ آدم ہر چہ آید بگذرد — ہجر کی شب کو بھی اے گردوں گزرنا چاہیئے
عاشقی میں خندہ روئی سالکوں کو ہے محال — ہے یہی منزل کہ چہرہ کو اترنا چاہیئے
ہر عمل تیرا ہے اکبر تابعِ عزمِ حریف — جب یہ موقع ہو تو بھائی کچھ نہ کرنا چاہیئے

رہی نہ قلب میں قوت زمانہ سازی کی — دعا کرو نہ مری عمر کی درازی کی
فلک نے ہم کو کیا منتخب مٹانے کو — ہمیں سے داد بھی چاہیں خوش امتیازی کی
مجرّب ایسا ملا نسخہ قوم بازی کا — کہ قدر اٹھ گئی دنیا سے عشق بازی کی
بہت خلوص سے حاضر رہا میں خدمت میں — مگر حضور نے مجھ سے زمانہ سازی کی
خیال کیا ہو کسی کو بنائے مسجد کا — کہ مسجدوں کو ضرورت ہے اب نمازی کی
ہمیشہ پیشِ نظر ہیں وضو شکن منظر — اس انجمن میں تجھے کس طرح نمازی کی
ہم اپنے حال پر افسوس کیا کریں اکبر — خدا نے شان دکھائی ہے بے نیازی کی

چھڑا ہے راگ بھونرے کا، ہوا کی ہے نئی دُھن بھی — غضب ہے سال کے بارہ مہینوں میں یہ پھاگن بھی
یہ رنگِ حسنِ گل، یہ نغمۂ مستانۂ بلبل — اشارہ کرتی ہے فطرت، ادھر آ دیکھ بھی، سُن بھی
بڑے روشن تمہارے ہو گئے راجا کے سیوا سے — مگر من کا پسینا چاہتے ہو تو کرو دُن بھی
بنے روشن یہ مئی چاند کیوں شاعر کو پیارا ہے — کمال اس میں یہ ہے، عارض بھی ہے، ابرو بھی، ناخن بھی

جوش میں لائے صبا جس کو، وہ خون اچھا ہے — بوئے گل جس کو بھائے، وہ جنون اچھا ہے
جوش میں آئے جو قرآں سے، وہ خون اچھا ہے — کفر پہ غصّہ دلائے، وہ جنون اچھا ہے

دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اس کی جھلک — بہرِ تاثیرِ محبت یہ شگون اچھا ہے
ہاتھ اٹھائیں گے نہ یہ دامنِ منصوری سے — اہلِ تہذیب کو دنیا میں یہ دون اچھا ہے
دوپہر کو مرے گھر آئی مسِ رشکِ قمر — کہہ دیا میں نے کہ یہ نون[1] کا مون[2] اچھا ہے

مرا دل ان بتوں کے ہاتھ سے واللہ لوٹا ہے — خدا ہی ان سے سمجھے گا، خدا کے گھر کو لوٹا ہے
خوشی کا رنگ ہے دل میں، نہ سرسبزی امیدوں کی — ہمارا باغ ویراں ہو گیا، گل ہے نہ بوٹا ہے
ترے کوچے میں دلِ نالاں اگر ہے دین سے چھٹ کر — تعجب کیا ہے اس میں، مدتوں کا ساتھ چھوٹا ہے

تو نے کب دل کی مرے اے بتِ عیار سنی — جو سنی بات، بلا کر سرِ دربار سنی
چھوڑ اس بحث کو کچھ اور بیاں کر اکبر — یہ کہانی تری یاروں نے تو سو بار سنی

ابھرا ہے رنگِ سودا، دیوانگی بری ہے — ہے جوشِ موسمِ گل، جو پھول ہے پری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظِ عبرت — یہ بھی مرے پڑے ہیں، وہ بھی بجھی پڑی ہے

دورِ گردوں میں کسی نے میری غم خواری نہ کی — دشمنوں نے دشمنی کی، یار نے یاری نہ کی
حشر کا سودا ہوا، ذوقِ جمالِ دوست میں — ہم نے بازارِ جہاں میں کچھ خریداری نہ کی
غم دیا اپنا، مگر پروائے غم خواری نہ کی — دل ستانی آپ نے فرمائی، دل نوازی نہ کی
قمقموں کی مشق سے میں نے نکالا اپنا کام — جب کسی نے قدرِ آہ و نالہ و زاری نہ کی
شوق کی مستی میں، میں دیوانہ ہو کر رہ گیا — حسن کے نشہ نے اس پہ بیہوشی طاری نہ کی
کوئے جاناں کا پتہ دے کر میں پہونچا خلد میں — مجھ سے کچھ رضواں نے بحثِ ناگواری نہ کی
شیخ بھی کھسکے، مریدوں کو جو دیکھا منتشر — جب محیط آوارہ تھا مرکز نے خودداری نہ کی
وقت سائے کا ابھی آیا نہیں، مغرب ہے دور — کیوں پسند اس برق وش نے مشرقی ساری نہ کی
جامہ زیبوں کی نظر بھی دلقِ اکبر پر پڑی — شان ہی کچھ اور تھی اس خرقۂ پارینہ کی

ایک صوتِ سرمدی ہے جس کا اتنا جوش ہے — ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے
مستیٔ نشو و نما ہے فصلِ گل کا جوش ہے — ہے ہوا میں فیضِ ساقی، ہر کلی مے نوش ہے
بزم میں ایمائے چشمِ ساقیٔ مے نوش ہے — وہ بہک جانے کے خطرے میں ہے جس کو ہوش ہے
شوقِ وصلِ شعلہ خوباں کیوں نہ ہو برسات میں — ابر کو بھی دیکھتا ہوں، برق در آغوش ہے
حال میری بے قراری کا بھی کچھ سن لیجئے — یہ بھی اک آویزہ ہے بجلی جو زیبِ گوش ہے
تا بکے دیدِ حسیناں، تا بکے وارفتگی — آنکھ میں جب تک نظر ہے سر میں جب تک ہوش ہے
آئینے سے بھی وہ بچتے ہیں کہ پڑ جائے نہ عکس — شرم کہتی ہے کہ یہ بھی صاحبِ آغوش ہے
کیوں نہ اپنے بل پہ نازاں ہو وہ زلفِ پُرشکن — اس کی خود بینی کو آئینہ صفائے دوش ہے
ہے اگر امیدِ فردا ہی پہ صرف اس کی بنا — کل نہ ہوگا آج اکبر کے جو دل میں جوش ہے

نورِ باطن کی تجلّی حرصِ دنیا میں کہاں — دامنِ طولِ امل اس راہ میں حق پوش ہے
جس کی آنکھیں ہیں، وہ ہے دلدادۂ چشمِ آفریں — عالمِ عرفاں میں تو ذی ہوش ہے، بیہوش ہے
جب ضرورت ہوگی تقویٰ کی، تو دیکھا جائے گا — اب تو بزمِ مغربی ہے اور نوشا نوش ہے

---

[1] NOON، دوپہر   [2] MOON، چاند

ان کا تیرِ پالسی اور شیخ و بابو کا گریز   خوب ہی لطفِ شکارِ روبہ و خرگوش ہے
اتحادِ باہمی اسس ملک میں آساں نہیں   کوئی سر سید ہے، کوئی بابو آشوتوش ہے
کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں   ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے
حضرتِ منصور "انا" بھی کہہ رہے ہیں حق کے ساتھ   دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا جوش ہے
مفلسی میں بھی تکلف دوست ہے طبعِ بلند   سروِ بستاں بے بضاعت، مگر خوش پوش ہے

دشمن بھی ہیں افسوس میں، یارب یہ ہے حالت مری
جینا تو اب دشوار ہے، کب آئے گی ساعت مری
طاقت نہ ہو جب ضبط کی، اظہارِ غم کیونکر نہ ہو
ہر دم اب تو آتشِ غم سینے میں ہے حسرت مری
شوخی اسس کی دیکھو ذرا، مجھ پہ ظلم بے حد کیا
پوچھا میں نے کیوں ستم، بولا یہ ہے عادت مری
پہلو میں وہ ہوں گے کبھی، خوشیوں کی گھڑی آئے گی
جاگے ہی گی اک وقت میں، سوتی گو ہے قسمت مری

اب بھی جو کہہ رہا ہو کہ پینا نہ چاہیئے   اس دورِ جہد میں اسے جینا نہ چاہیئے
نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل   بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیئے
میں بحث کا ہو رہا تو عبث شیخ کو ہے رنج   ایسے معاملات میں کینا نہ چاہیئے

دنیا میں اہلِ حق کو کس طرح صاف کیجیے   کرتا ہے دشمنی وہ جس کے خلاف کیجیے
یہ سرسری اشارہ کافی نہیں ہے حضرت   اپنی زبان سے بھی لفظِ معاف کیجیے

بے دشمنِ دیں، راحتِ دنیا ہے تو کیا ہے   قاتل ہو کوئی آنکھ تو جینے کا مزا ہے

ساتھ یاروں کے ہماری راحتِ دل اٹھ گئی   ایک دو کا ذکر کیا، محفل کی محفل اٹھ گئی
قتل ہونے کی کسے امید تھی، قسمت کی بات   اتفاقاً میری جانب چشمِ قاتل اٹھ گئی

زلف میں دل کی گرفتاری بُری   سب مرض اچھے، یہ بیماری بُری
ہوش سے عاشق کو بچنا چاہیئے   راہِ دل میں یہ گرانباری بُری
آج سینے آ کے اکبر سے کبیر   شیخ جی، ہولی میں خودداری بُری

رُکتے ہیں دستِ دُعا اٹھتے ہوئے   ہے جو ہونا، کیوں رہے گا بے ہوئے
کچھ بھی ہمدردی جوانوں سے نہیں   شیخ صاحب اب بہت بوڑھے ہوئے

ناچ ہے مغرب کا بزمِ دہر میں   جھومتے ہیں مشرقی بیٹھے ہوئے
نام یوسف سے ہوا یعقوب کا   یوں تو حضرت کے بہت بیٹے ہوئے

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو   دیکھا نہیں، نام رکھ لیا ہے
واللہ ستم ہے یہ تکلف   کھایا کبھی، تم نے چکھ لیا ہے

سکّہ ہے کھرا مرے سخن کا   سب نے اسس کو پرکھ لیا ہے

لن ترانی سے عیاں انوار پنہاں ہو گئے   ایک فقرے میں ہزاروں طور پنہاں ہو گئے
اے صبا اس باغ میں تیرا عمل ہے مشتبہ   ہنس دیئے گل ہو کے غنچے یا پریشاں ہو گئے
اس نے آنکھوں کے اشارے سے پڑھایا دل کو   خواب میں دیکھا تھا، دو کافر مسلماں ہو گئے
ناتوانی سے قناعت پر ہوئے مجبور ہم   ضعف کے اسبابِ عزت کے نگہباں ہو گئے
سبو خودداری، دیری، حق پرستی اب کہاں   رکھ لیا اچھا سا اک نام اور سماں ہو گئے
ہو گیا آخر شکستِ دل سے کارِ دل درست   داغ سینے کے چراغِ راہِ عرفاں ہو گئے
جلوہ ہائے منظرِ ہستی ہیں راحت بہ محل   دہر جب دیکھا ہوئے، خواب پریشاں ہو گئے
جو کہا اس نے کیا منظور، کیسا حرفِ نفی!   ہم سراپا اب تو اس محفل میں جی ہاں ہو گئے
ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر اے حضور   آپ خوش قسمت تھے، بندر سے جو انساں ہو گئے
ناز تھا ان کو بہت اپنے بدن کی ساخت پر   اگزبیشن میں مرے اک دوست عریاں ہو گئے
صورتِ لیلٰے نہ دیکھی، پڑھ لیا دیوانِ قیس   شاعری آئی نہیں لیکن زباں داں ہو گئے

گرے جاتے ہیں ہم خود اپنی نظروں سے ستم یہ ہے   بدل جاتے تو کچھ رہتے، مٹے جاتے ہیں، غم یہ ہے
طریقِ ذکر کیا سمجھا ہے تو منزل ترقی کی   نگاہِ پیش بیں میں جادۂ راہِ عدم یہ ہے
تحمل نالہ و فریاد کا اُن سے کہاں ممکن   نہ ہوں برہم مری افسردگی پہ مغتنم یہ ہے
نہ بے مہری کا شکوہ ہے، نہ ہے سوزِ غمِ فرقت   تعارف آپ سے کیوں ہو گیا، رنج و الم یہ ہے
کہاں تک رشک اکبر ساقیِ بزمِ حریفاں پر   سنبھالو دل کو تم اپنے، تمہارا جامِ جم یہ ہے

جاری طریقِ فضل و عطا سب کے ساتھ ہے   دیکھو جو غور سے تو خدا سب کے ساتھ ہے
بیحد رسا ہیں گیسوئے دنیائے دوں کے پیچ   سب اس میں ہیں پھنسے، یہ بلا سب کے ساتھ ہے
کمبخت دل کو کیوں ہے لگاوٹ انہیں کے ساتھ   ان کو تو شوخی و ناز و ادا سب کے ساتھ ہے

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، زبان میری ہے، بات اُن کی
انہیں کی محفل سنوارتا ہوں، چراغ میرا ہے، رات اُن کی
سُنے جو اسس کو، اُسے تحیر، جو اس کو برتے، اُسے تردد
ہماری نیکی اور اُن کی برکت، عمل ہمارا، نجات اُن کی

بھلا دو میرے منہ سے بات اگر کوئی بُری نکلی   یہ بیدردی ہے کہنا، آہِ بلبل بے سُری نکلی
عدو جمعیتِ ملت کا جو ہو، لعن تھی اس پہ   یہ کیا سمجھا عزیزوں نے، مجھی پہ کیوں چھری نکلی
عرب کہتے تھے تم جس کو وہ کمسریٹ کا خچر تھا   جسے شائستگی سمجھے تھے، آخر کو بری نکلی
مجھے اس دیس سے خواہش تھی روحانی ترقی کی   یہاں ہر چیز لیکن مادّی و عنصری نکلی

بتوں سے میل، خدا پر نظر، یہ خوب کہی   شبِ گناہ و نمازِ سحر، یہ خوب کہی
فلٹن نفیس ہو، سڑک خوشنما، ڈنر ہر شب   یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر، یہ خوب کہی
تمہاری خاطرِ نازک کا ہے خیال فقط   وگرنہ مجھ کو ترکیوں کا ڈر، یہ خوب کہی

ئے EXHIBITION ، نمائش   COMISSARIAT ، محکمۂ رسد

جنابِ شیخ کا ہو جاؤں معتقد معقول — نگاہِ یار رہے بے اثر، یہ خوب کہی
شباب و بادہ و فکرِ مآل کار چہ خوش — جنونِ عشق و خیالِ خطر، یہ خوب کہی
سوالِ وصل کروں یا طلب ہو بوسے کی — وہ کہتے ہیں مری ہر بات پر، یہ خوب کہی

حرفِ مطلب کی رسائی کیوں زباں تک ہو سکے — دل کو خودداری سکھا اکبر جہاں تک ہو سکے
وعدہ اقرارِ مفصل کا تو کرتے ہو مگر — دیکھ لینا، وقت پر تم سے جہاں تک ہو سکے
سن رہا ہوں شوق سے دنیا کے قصوں کو مگر — دیکھئے رہتا جو ختمِ داستاں تک ہو سکے
نالہ و فریاد جائز ہے مصیبت میں مگر — صبر ہی بہتر ہے انساں کو جہاں تک ہو سکے

افسوس ہے گلشن کو خزاں لوٹ رہی ہے — شاخِ گلِ تر سوکھ کے اب ٹوٹ رہی ہے
اس قوم سے وہ عادتِ دیرینۂ طاعت — بالکل [illegible] ہے، یار چھوٹ رہی ہے
وہ راہ شریعت کی، جہاں بچھتی تھیں آنکھیں — یہ کفر [illegible] اسے کوٹ رہی ہے

فکرِ فردا میں عبث روز اک نئی تمہید ہے — آج تک ہم کیا ہوئے، آئندہ کیا امید ہے
غافلوں کو جلوۂ ہستی، بہارِ عید ہے — چشمِ بینا میں مگر یہ حشر کی تمہید ہے
قدِ موزوں دیکھیے، جوڑے کی بندش دیکھیے — کس قیامت کا ہے مصرع، اور کیا تعقید ہے
نحو کر اور اُن سے مضامینِ کمر پہ دسترس — ذہن کیا، بس یہ کہیے غیب کی تائید ہے

خوش ہے سب کہ آپریشن میں خوب نشتر چل رہا ہے — کسی کو اس کی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے
فنا اسی رنگ پر ہے قائم، فلک وہی چال چل رہا ہے — شکستہ و منتشر ہے وہ کل، جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے
یہ دیکھو سوچو کہ کاسۂ سر غرورِ غفلت سے کل تھا مملو — یہی بدن ناز سے پلا تھا، جو آج مٹی میں گل رہا ہے
سمجھ ہو جس کی بلیغ سمجھے، نظر ہو جس کی وسیع دیکھے — ابھی یہاں خاک بھی اڑے گی، جہاں یہ قلزم ابل رہا ہے
کہاں کا شرقی، کہاں کا غربی، تمام دکھ سکھ ہے یہ مساوی — یہاں بھی اک بامراد خوش ہے، وہاں بھی اک غم سے جل رہا ہے

ہوس پرستوں کو کیوں یہ کد ہے، ان انقلابوں کی کیا سند ہے
اگر زمانہ بدل رہا ہے، بدلنے ہی کو بدل رہا ہے
عروجِ قومی، زوالِ قومی، خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے
ہمیشہ ردّ و بدل کے اندر یہ امر پولیٹیکل[1] رہا ہے
جنھوں نے طاعت میں جان دی ہے، انھیں کے حصے میں زندگی ہے
مقدروں کی ہوں لاکھ شکلیں، یہی نتیجہ نکل رہا ہے
خدا سے تم دل ملاؤ [illegible] زبان کو چھوڑ، لاؤ دل سے
تو دیکھ لینا کہ پُر اثر ہے، زبان سے جو نکل رہا ہے
جھکائیں اکبر سرِ ارادت، ہمیں تو امید کچھ نہیں ہے
اُدھر وہ شمشیر کھنچ رہی ہے، اِدھر یہ خنجر سنبھل رہا ہے
نہ ہے اسپیچ میں، نہ ڈنر میں، خبر یہ چھپتی ہے پانیر[2] میں
فلک کی گردش کے ساتھ ہی ساتھ کام یاروں کا چل رہا ہے

جب آسمان اہلِ وفا ہی کا ہو رہا ہے — مومن کو چاہیے کہ خدا ہی کا ہو رہے
مجھ کو تو حُبِّ جاہ ہی ہے وجہِ انتشار — دل میں تمہارے شوق جو شاہی کا ہو رہے
اکبر مریض ہے تو دعا بھی اسے سکھاؤ — ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

گردن رفارمر[3] کی ہر اک سمت تن گئی — بگڑی ہو قوم و ملک کی، اُن کی تو بن گئی
لڑکے نئے طریق کی جانب جو کھنچ گئے — بوڑھوں کی آہ جانبِ چرخِ کہن گئی
دم بھر میں جسم و روح کا قصہ تمام تھا — مٹی میں مل گیا وہ، یہ اپنے وطن گئی

دنیا میں بھی مستِ اثرِ نغمۂ کن ہے — پردیس میں ہے روح، مگر دیس کی دھن ہے
کی میں نے لگاوٹ تو بتِ شوخ یہ بولا — کیوں کفر ہے بدنام، جب اس میں بھی یہ گُن ہے
ہنس دیتے ہیں بت سن کے یہ اکبر کا لطیفہ — جب آپ کے درشن ہوں تو پھر پاپ بھی پُن ہے

جانتی تھیں کہ ہنر شرط ہے قاتل کے لیے — دل لیے آپ کی آنکھوں نے مگر مل کے لیے
دل مرا اُن کے لیے ہے وہ مرے دل کے لیے — ماسوا اس کے سب اندیشۂ باطل کے لیے
ہر قدم پر ہے فزوں لذتِ سرگرمیِ سعی — شوق نے خوب مزے دوریِ منزل کے لیے
ہے یہ وہ عہد کہ کی بزم کی تزئین لیکن — آدمی مل نہ سکے رونقِ محفل کے لیے
دیدِ دنیا ہے رہِ عشق میں سالک کو مضر — خوب ہے قطعِ نظر قطعِ منازل کے لیے
مغربی کورس میں ہوتی ہے جوانی رخصت — اب تو پیری ہی ہے رندانہ مشاغل کے لیے
کیا ضرورت رہِ الفت میں سخن سازی کی — صدق کافی ہے بس اکبر اثرِ دل کے لیے

نہ پالیسی[4] وہ رہی اور نہ آنجناب رہے — نئے طریق، فقط جان پہ عذاب رہے
اس انجمن میں اشارا ہے چشمِ ساقی کا — وہی مزے میں رہے جو یہاں خراب رہے
خزاں میں ہوش جب آئے گا خیر رو لیں گے — بہار تک تو ہمیں نشۂ شراب رہے
امیدیں ہوتی تھیں پیدا تری لگاوٹ سے — نہ اب وہ لہر رہی اور نہ وہ حجاب رہے
کہاں کا نام، مجھے ہے نشان سے بھی گریز — مبارک آپ ہی کو خواہشِ خطاب رہے
اس اک گناہ کو منظور کیجیے تو مجھے — تمام اور گناہوں سے اجتناب رہے

مرے عشق کے سوز میں ہو نہ کمی، اجل آئے تو ایسی جفا نہ کرے
مری جان کو جسم سے کر دے الگ، مرے درد کو دل سے جدا نہ کرے
بتِ شوخ کی دیکھ رہا ہوں نظر، مرے عشق کا کچھ بھی نہیں ہے اثر
جو میں کہتا ہوں کاش ہو تجھ میں وفا، تو وہ کہتا ہے ہنس کے، خدا نہ کرے
مجھے عشق و وفا کی سند نہ ملے جو میں ضبط سے، صبر سے کام نہ لوں
وہاں حُسن کے ناز میں آئے کمی، جو وہ حقِ ستم کو ادا نہ کرے

عدو فلک بھی رہا، گردشِ زمیں بھی رہی — مگر وہ در بھی رہا، اور مری جبیں بھی رہی
نظر میں آیتِ ایاک نستعین بھی رہی — صنم کے پاؤں پہ لیکن مری جبیں بھی رہی
تری اداؤں سے بڑھنے نہ پائی جرأتِ دل — ہنسی جو لب پہ رہی، تو جبیں پہ چیں بھی رہی

---

[1] POLITICAL، سیاسی [2] PIONEER ایک مشہور اخبار
[3] REFORMER، مصلح [4] POLICY، حکمتِ عملی

ہزاروں جام ہوئے بے کسوں پہ یاں لیکن — وہی فلک بھی رہا، اور مری جبیں بھی رہی
خلوص اُن میں نہ تھا، اس سبب سے دل نہ ملا — گئیں تو خوب اُڑیں اور چپاں جبیں بھی رہی
کچھ انتظار ہیں موقع کے طولِ ہجر ہوا — کچھ ابتدائے محبت میں ہاں نہیں بھی رہی
میں کیا ہوں خوش اگر ان کو رہی نہ الفتِ غیر — ملیں گے اُس سے محبت اگر نہیں بھی رہی
اُسی کو ہم تو سمجھتے ہیں مستند اکبرؔ — جسے مشاغلِ دنیا میں فکرِ دیں بھی رہی

ہوا ہوں اُس کا کہ جو بے مروّت کافرکیش ہے — دل ہمارا کس قدر نا عاقبت اندیش ہے

ترے سحرِ نظر سے ہوا جو جنوں، مرے دل کی تو اس میں خطا ہی نہ تھی
ترے کوچے میں آکے میں بیٹھ رہا، بجز اس کے کچھ اور دوا ہی نہ تھی
ہوئی طبع جو مائلِ دامِ بلا، میں تمہاری ہی زلفِ سیہ میں پھنسا
مرے دامنِ دل کو جو کھینچ سکے، کوئی اور تو ایسی بلا ہی نہ تھی
کیا صحبتِ غیر نے قہر و غضب، مجھے کوئی امید رہی نہیں اب
دمِ چند کو مجھ سے ملے بھی جو کل، وہ نظر ہی نہ تھی، وہ ادا ہی نہ تھی
نہ بھی تو پھر اس میں تھی کس کی خطا، یہ گلا ہے مری ہی طرف سے بجا
مرے عشق کا رنگ تو خوب رہا، مگر آپ میں بوئے وفا ہی نہ تھی
میں وطن سے حسین و ملول پھر آیا تو وہ بزم ملی، نہ وہ یار ملے
گل و لالہ و سرو کا ذکر کیا، وہ چمن ہی نہ تھا، وہ ہوا ہی نہ تھی
غمِ ہجر میں جی سے گیا جو گزر تو یہ اکبرِ زار نے خوب کیا
کہ علاجِ فراق تو تھا ہی یہی، بجز اس کے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

اللہ رے کامیابی اس چشمِ پُرفسوں کی — عقلیں ہزار اُبھریں، تابع رہیں جنوں کی
تنویر چاہتا ہے گر آتشِ دروں کی — ہو اُس کا محو جس نے مٹی میں رُوح پھونکی
نشتر لگائے جا تو اے رنجِ نا امیدی — دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوشِ خوں کی
اس وقت کوئی دیکھے تاثیرِ سازِ مغرب — جب ناچ ہوسوں کا اور گت ہو ارغنوں کی
آفاق پر ہیں طاری آثار شامِ غم کے — اللہ دل کو قوت دے صبر کی، سکوں کی
فطرت نے باغِ ہستی پیشِ نظر کیا ہے — دیکھو بہار اکبرؔ اس روئے لالہ گوں کی

کیا پا گئے جو حرص کے کوچے میں سگ رہے — وہ کیا بُرے رہے کہ جو اس سے الگ رہے
اپنی جگہ سے تم نہ ہٹو، گو ہوں گردشیں — ایسے رہو کہ جیسے انگوٹھی میں نگ رہے
اکبرؔ انہیں کو لذتِ یادِ خدا ملی — سمجھے جو کافری کو اور اس سے الگ رہے

دن رات کی یہ بے چینی ہے، یہ آٹھ پہر کا رونا ہے — آثار بُرے ہیں فرقت میں، معلوم نہیں کیا ہونا ہے
دنیا کیلئے ہنگامے تھے، خلق ایک طرف، آپ ایک طرف — اب شہرِ خموشاں، عالمِ ہُو، مٹی ہے، لحد کا کونا ہے
کیوں پست ہوئی ہے ہمتِ دل، کیوں روک رہی ہے آیا کی — کوشش تو ہم اپنی سی کر لیں، ہوگا تو وہی جو ہونا ہے
ترکیبِ تکلف لاکھ کرو، فطرت نہیں چھپتی اے اکبرؔ — جو مٹی ہے، وہ مٹی ہے، جو سونا ہے وہ سونا ہے

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے — اور کیا عرض کریں، آپ کو معلوم رہے

جوششِ سودا کو طبعِ لاابالی چاہیئے — منظرِ مجنوں کو تصویرِ خیالی چاہیئے
اُن کے مضمونِ کمر کا باندھنا آساں نہیں — مدتوں مشاقِ نازک خیالی چاہیئے
ہر دورِ مے خانہ اکبرؔ کے لئے دل کش نہیں — بادۂ صافی چاہیئے اور ظرفِ عالی چاہیئے

نظر کن سوئے اُو تا نورِ چشمِ قدسیاں باشی — بنہ سر بر زمینِ کُوئے اُو تا آسماں باشی
ز فیضِ راستی چوں سرو گشتی اندریں گلشن — بزن گامے براہِ سعی تا سروِ رواں باشی
شریکِ بے کسی بودن تُرا با ہمدماں اکبرؔ — ازاں بہتر کہ در بزمِ حریفاں شادماں باشی

چل رہی ہے جس طرح دنیا کو چلنے دیجئے — مل رہی ہے ہاتھ اگر منطق تو ملنے دیجئے

قوم اب کہاں، ہر اک کی خوشی غم کے ساتھ ہے — سچ تو یہ ہے کہ ہر اک کا مزاحم کے ساتھ ہے

دل کو آماجگہِ تیرِ قضا کرتی ہے — حُسن کا حق وہ نظرِ خُوب ادا کرتی ہے

تمہاری چشمِ فتاں سب کے دل سے ساز کرتی ہے — ہماری آرزو کو کیوں نظر انداز کرتی ہے
بہار آئی ہے گویا اب نہ جائے گی گلستاں سے — کھلی پڑتی ہیں کلیاں بھی، ہوا بھی ناز کرتی ہے
اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا — اگر سمجھو تو ہر پتی بیانِ راز کرتی ہے

شیخ نے ناقوس کے سُر میں جو خود ہی تان لی — پھر تو یاروں نے بھجن گانے کی کھُل کر ٹھان لی
مدتوں قائم رہیں گی اب دلوں میں گرمیاں — میں نے فوٹو لے لیا، اُس نے نظر پہچان لی
رو رہے ہیں دوست میری لاش پر بے اختیار — یہ نہیں دریافت کرتے کس نے اس کی جان لی
میں تو انجن کی گلے بازی کا قائل ہو گیا — رہ گئے نغمے حُدی خوانوں کے، ایسی تان لی
حضرتِ اکبرؔ کے استقلال کا ہوں معترف — تا بمرگ اُس پر رہے قائم، جو دل میں ٹھان لی

اب خاک پہ ہیں، کل تخت پہ تھے، اک زیست کی حالت وہ بھی تھی
اللہ کی قدرت یہ بھی ہے، اللہ کی قدرت وہ بھی تھی
پریاں بھی لگاوٹ کرتی تھیں، اب دیو بھی مجھ سے کھنچتے ہیں
فطرت ہی کی صورت یہ بھی ہے، فطرت ہی کی صورت وہ بھی تھی

انسان فقط عجز و دعا ہی کے لئے ہے — جو عزت و عظمت ہے، خدا ہی کے لئے ہے

حیرت میں ختم ہو گئی افسانۂ زندگی — حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی
اس زندگی نے خود ہی کیا ہے تجھے اسیر — تجھ کو یہ کیوں ہے شوق و تمنائے زندگی

جانتے ہیں کہ سدا خونِ جگر پینا ہے — پھر خوشی کیا کہ ابھی ہم کو بہت جینا ہے

مجھے اُن سے ہے ہمدردی، تری آرزو بھی عجیب ہے
وہ ہیں تخت پر، تو ہے خاک پر، وہ امیر ہیں تو غریب ہے
پئے حفظِ جاں ہیں جو کوششیں، وہ اجل کے ساتھ ہیں سازشیں
اور اسی روش پہ ہیں خواہشیں، یہ معاملہ بھی عجیب ہے

ترا جلوہ زیبِ خیال ہے، وہی وجد ہے، وہی حال ہے
تری انجمن سے ہوں دور اگر، مرا دل تو مجھ سے قریب ہے
اسے اختروں کا خیال کیا، جو ہو محوِ تاروں کی چال کا
وہ نظر زمین پہ کیوں جھکے کہ جو آسماں سے قریب ہے
جو خدا کا حکم ہے، خوب ہے، مجھے توبہ کرنے میں عذر کیا
مگر ایک بات ہے واعظا کہ بہار اب تو قریب ہے

پیش آجائے جو مسجد تو نمازی بھی سہی — بُت جو موقع پہ ملیں، دست درازی بھی سہی
گالیاں اس نے جو دیں، وصل کا طالب میں ہوا — کہہ دیا صاف کہ ترکی ہے تو تازی بھی سہی
تارک الوسعوں میں دو چار نے پایا ہے عروج — خیر اتنے شہدا تھے تو یہ غازی بھی سہی
اس نے یہ کہہ کے تھیٹر میں غزل گائی مری — تیری خاطر سے اک آہنگِ حجازی بھی سہی
ایک دن چشمِ کرم بھی ہو ادھر اے قاتل — ظلم کے ساتھ کبھی بندہ نوازی بھی سہی

آرزو دنیا میں کب نکلی اُولو الابصار کی — چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی
سوزِ جاں ہوتی ہے جنبش ابروئے خمدار کی — آگ کر دیتی ہے دل کو آب اس تلوار کی
ہے گرانی تب پہ اوہام کے انبار کی — حاجت اس خرمن کو ہے برقِ نگاہِ یار کی
دھوم ہے زیرِ فلک حسن و جمالِ یار کی — ذرے ذرے سے عیاں ہے آرزو دیدار کی
دستِ گلچیں پھر رہا ہے شاخِ گل پر بے دریغ — کون سنتا ہے چمن میں عندلیبِ زار کی
الفت اُن کی نرگسِ فتاں کی ہے آرام سوز — نیند اڑا دیتی ہے یاد اُس فتنۂ بیدار کی
دستِ گلچیں کے لئے فطرت میں ہیں یہ کاوشیں — چشمِ بلبل کے لئے زحمت نہیں ہے خار کی
وہ ادا اس وقت تم نے کی کہ دل تڑپا دیا — اب نہ کہنا بے محل کیا تھی ضرورت پیار کی
خوش ہے دنیا جانتی ہے، یہ بھی یونہی ہو گئے خوش — خلق و عالم کو خبر کیا میرے حالِ زار کی
سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو — حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی
غیرِ بے ترکیب کیا جانے بھلا آدابِ عشق — کیجئے گا آپ اک دن قدر میرے پیار کی
ہے زلیخا کا سا گاہک حضرتِ یوسف سا مال — دیدنی ہے آج رونق مصر کے بازار کی
شعرِ تر اکبر تجھے سُن کو ہے سامع عالی دماغ — قدر کر لے آسماں اس ابرِ گوہر بار کی

کیا ہے مذہب، ایک ملکی اور سوشل انتظام — یہ نہیں پہچان ہرگز کافر و دیندار کی
صورت و الفاظ کا اکثر نہیں ہے اعتبار — ہیں فقط یہ عادتیں رفتار کی، گفتار کی
ہیں ہر اک مذہب میں کچھ کافر بھی، کچھ دیندار بھی — یاد رکھ تو بات یہ اک محرمِ اسرار کی

مفتون ہو گئے ہم اس بے نقاب چمن کے — آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی نے پھول بن کے

ہستی کو اپنی سمجھیں، بنیاد اپنی دیکھیں — اُٹھے جو ہیں بگولے، برباد ہوں گے تن کے
رنگیں بہت ہے اس میں فریاد بے کسوں کی — ٹکڑے اڑیں گے اک دن اس گنبدِ کہن کے
غربت میں عمر گذری، نام و نشاں نہ پوچھو — نقشے بھی ذہن میں اب باقی نہیں وطن کے
زخموں سے چور ہیں ہم، اس کا خیال کس کو — چرچے ہیں ہر طرف بس تیری ہی بانکپن کے
تھی نیک سعی تیری اے بادِ صبح گاہی — تجھ کو کیا معطر کلیوں نے پھول بن کے
مغرب کا وعظ ادھر بھی، اے پیرِ ملت، تو — اس شہر میں بھی مُردے محتاج ہیں کفن کے

آہ جو دل سے نکالی جائے گی — کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی
یاد ان کی ہے بہت عزلت پسند — آہ بھی دل سے نکالی جائے گی
نزع کہتی ہے کہ رُوٹھی تجھ سے جان — حشر کہتا ہے منا لی جائے گی
اس نزاکت پر یہ شمشیرِ جفا — آپ سے کیوں کر سنبھالی جائے گی
بے تکلف چاہیے سوز و گداز — شمع کیوں سانچے میں ڈھالی جائے گی
کیا غمِ دنیا کا ڈر مجھ رند کو — اور اک بوتل چڑھا لی جائے گی
زندگی کی کل ہے پیچیدہ تو خیر — سانس لے لے کر چلا لی جائے گی
شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا — احتیاطاً کچھ منگا لی جائے گی
یادِ ابرو میں ہے اکبر محو کیوں — کب تری یہ کج خیالی جائے گی

پاسِ خاطر تھا اگر تو رنج کیوں ہم کو دیے — اب عبث ہے اس کی پرسش دل بھر آیا رو دیے
بوسۂ رخ کی طلب تیرِ نظر سے رک گئی — اس نے شوخی سے رگِ گلچیں میں کانٹے بو دیے

مری رسائی ہے دیر میں بھی، حرم میں بھی میری منزلت ہے — بتوں سے لپٹے کی ہے توقع، خدا سے امیدِ مغفرت ہے
جھکا ہے سر اپنا پائے بت پر، زباں پہ ہے گلا جفا کا — مرے عمل میں ہے طرزِ بیدل، غزل میں اندازِ لاجہت ہے

وصل نے کب مجھے سُلایا ہے — ہجر ہی نے سدا رُلایا ہے
میں نے کب کی نگاہ گل کی طرف — تم نے کیوں مجھ سے منہ پھلایا ہے
کیا خوشی ہو جو کوئی آ کے کہے — کہ انہوں نے تمہیں بلایا ہے

نہ وہ بت کدے کہیں رہ گئے، نہ وہ دلبری کے صنم رہے
نہ وہ دن رہے، نہ وہ ہم رہے، نہ وہ دل رہا، نہ وہ غم رہے
اب انہیں کے کوچے کی دھوم ہے، نہیں کرتا ذکرِ ارم کوئی
انہیں ضد بھی تھی اسی بات کی، کہ نہ ذکرِ باغِ ارم رہے
مری رندیوں کا ہے خاتمہ، نہ وہ مستیاں، نہ وہ ولولے
نہ مئے کہن کا رہا نشاں، نہ طریقِ محفلِ جم رہے
مجھے کیا امیدِ فروغ کی کہ بتوں کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے، نہ زباں رہے، نہ خدا رہے، نہ حرم رہے

کہاں وہ اب لطفِ باہمی ہے، محبتوں میں بہت کمی ہے
چلی ہے کیسی ہوا الٰہی کہ ہر طبیعت میں برہمی ہے
مری وفا میں ہے کیا تزلزل؟ مری اطاعت میں کیا کمی ہے
یہ کیوں نگاہیں پھری ہیں مجھ سے، مزاج میں کیوں یہ برہمی ہے
وہی ہے فضلِ خدا سے اب تک ترقیِ کارِ حسن و الفت
نہ وہ ہیں مشقِ ستم میں قاصر، نہ خونِ دل کی یہاں کمی ہے
عجیب جلوے ہیں ہوش دشمن کہ وہم کے بھی قدم رُکے ہیں
عجیب منظر ہیں حیرت افزا، نظر جہاں تھی، وہیں تھمی ہے
نہ کوئی تکریم باہمی ہے، نہ پیار باقی ہے اب دلوں میں
یہ صرف تحریر میں ڈیئر سر[ـہ] ہے، یا جناب کرمی ہے

ـہ DEAR SIR

کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو بھلائی ہیں سب نے اگلی رسمیں
عقیدے سب کے ہیں تین تیرہ، نہ گیارھویں ہے نہ اشٹمی ہے
نظر مری اور ہی طرف ہے، ہزار رنگِ زمانہ بدلے
ہزار باتیں بنائے ناصح، جمی ہے دل میں جو کچھ بھی ہے
اگرچہ میں رندِ محترم ہوں مگر اسے شیخ سے نہ پوچھو
کہ اُن کے آگے تو اس زمانے میں ساری دنیا جہنمی ہے

جلوۂ دہر اپنا تماشا کرے   فلسفہ الفاظ تراشا کرے
تجربہ اور جانچ ضروری سمجھ   لاکھ کوئی کلّا وحاشا کرے
اُردو پہ یہ خدمتِ برگڈ ہے بار   خیر اب اس کام کو جاشا کرے

ہوس میری بصد حسرت بتوں کے منہ کو تکتی ہے   نہیں معلوم اب کیوں کافری مجھ سے کھٹکتی ہے
خموشی سے طریقِ راستی پر تم رہو اے اکبر   نہ جا گفت و شنودِ دہر پر، خلقت یہ بکتی ہے

نہیں سائنس واقف کارِ دیں سے   خدا بالاتر ہے حدِّ دوربیں سے
شیخوں نے کیا نیکوں کو رخصت   کبوتر اڑ گئے انجن کی بیں سے
ب وا صفتِ میونسپل دیکھ   تجھے کیا کام ہے جاپان و چیں سے

موذنوں کی مہربانی ہو چکی   چار دن کی چاندنی تھی، ہو چکی
عاقبت کا اب خیال آنے لگا   شورشِ عہدِ جوانی ہو چکی
قوم کی مسجد میں کیجے جھاڑ پھونک   اسپتالوں میں وہ اچھی ہو چکی
آج تم کرتے ہو ذکرِ اختلاط   مدتیں گزریں کہ وصلی ہو چکی

پیرِ عقل کوئی رہ اب اسے خدا نہیں ہے   میں کچھ سند نہیں ہوں، ہم کا پتا نہیں ہے
تعلیم و تربیت کا ہے اختلاف ہر جا   جو کورس ایک کا ہے، وہ اور کا نہیں ہے
ہر سر میں ہے یہ سودا، دانم سپرا نگویم   وہ کون ہے جو [illegible] کر اُٹھا نہیں ہے
اونچے جھک رہے ہیں، نیچے وبک رہے ہیں   ہے پیٹ ہی کا سودا، دل کا پتا نہیں ہے
جس کو بقا نہیں ہے، وہ دل کشا نہیں ہے   جس کو فنا نہیں ہے، اُس کا پتا نہیں ہے
اسے وہ کہ بے کسوں کو آتی ہے یاد تیری   میرا بھی کچھ سہارا تیرے سوا نہیں ہے

نہیں ہے علم ان میں جس کی مستی کا جھگڑا ہے   یہ باتیں غیر ثابت ہیں، زبردستی کا جھگڑا ہے
فقط اک ہستیٔ اعلیٰ کا پرتو دل میں پڑتا ہے   جو کچھ اس کے سوا ہے، وہم کی ہستی کا جھگڑا ہے

مسرت ہوئی، ہنس لئے دو گھڑی   مصیبت پڑی، رو کے چپ ہو رہے
اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست   سُلایا شبِ گور نے، سو رہے

رشی ماننا سے نہ بر پائیں کیوں خیر الامم پہلے   ہمیں دل میں کریں انصاف، تم پہلے کہ ہم پہلے

MUNICIPAL ۲   BRIGADE ۱

جماعت اور صفِ بندی کہاں ایسا بعد کو ہو گا   عزیزوں سے کہو مسجد میں تو رکھیں قدم پٹے
مقلّد لیڈرِ مرحوم کے اتنا نہیں سمجھے   غریبی اور محنت سے یا جاہ و [illegible] پٹے
کوئی صاحب نہ ہوں، للہ ناخوش اس کے پیچھے   خیالِ حبِّ قومی پیچھے اور فکرِ شکم پٹے
نہ جوتی ہے زمیں تم نے، نہ تم نے بیج بوئے ہیں   یہ کیا معنے کہ ہو بے بارشِ ابرِ کرم پٹے

نہیں ملنے کا لطف اس قوم بے تقویٰ و بے حس سے   مگر یہ بھی تو مشکل ہے کہ پھر آخر ملیں کس سے
سنورنے کے سوا یہ بےبصیرت کرتے ہی کیا ہیں   چمن کی کیا حفاظت ہو رہی ہے چشمِ نرگس سے
محبت کا تو عنصر ہی نہیں ان کی طبیعت میں   لگاوٹ بے نقط، وہ بھی نہیں اُن سے کبھی اِن سے

خیال دوڑا، نگاہ اٹھی، قلم نے لکھا، زباں بولی   مگر دل کی الجھنیں ہیں، کسی نے اس کی گرہ کھولی
لطافتوں کی نزاکتوں کے عجیب مضمون ہیں چمن میں   صبا نے جھٹکا ہے اپنا دامن، مہک گئی ہے کلی کی چولی
خیال شاعر کا ہے نرالا، یہ کہہ گیا ایک کہنے والا   شباب کے ساتھ یوں ہے ندرت کہ جیسے پھاگن کے ساتھ ہولی
کہو یہ رندانِ ایشیا سے کہ بزمِ عشرت کے ٹھاٹھ بدلیں   اُڑن کھٹولہ ہے اب مسوں کا، گئی پری جان کی وہ ڈولی

خوشی کیا ہو جو میری بات وہ بت مان جاتا ہے   مزا تو بے حد آتا ہے مگر ایمان جاتا ہے
بنوں کونسل[1] میں اسپیکر[2] تو رخصت قرأتِ مصری   کروں کیا مجبوری جاتی ہے یا قرآن جاتا ہے
زوالِ جاہ و دولت میں بس اتنی بات اچھی ہے   کہ دنیا کو بخوبی آدمی پہچان جاتا ہے
نئی تہذیب میں دقّت زیادہ تو نہیں ہوتی   مذاہب رہتے ہیں قائم، فقط ایمان جاتا ہے
تخیّلات کرا ور دن گریاروں کی یہ آپہنچیں   دُہائی لاٹ صاحب کی، مرا ایمان جاتا ہے
جہاں دل میں یہ آئی کچھ کہوں وہ چل دیا اُٹھ کر   غضب ہے، فتنہ ہے، ظالم نظر پہچان جاتا ہے
چمن پرورد صبا از دل کے تقاضے یاد آتے ہیں   تڑپ جاتا ہوں یہ سن کر کہ اب ایران جاتا ہے

معزز مسلم مے نوش اب ہے، گروہ فاسق ہے   نصیب اس کے ہیں فاتح اور نیشن کے مطابق ہے
یہ دعویٰ ہے غلط تو ڈارون صاحب خطا بخشیں   خدا انسان کا خالق، خدا بندر کا خالق ہے

نہیں ہے خضر کی حاجت جو شوقِ دل محرّک ہے   کوئی حامی نہیں میرا تو خیر اللہ مالک ہے
قلم کھینچے کہاں تک صورتیں دنیا کی حالت کی   تصوّر ہی میں طاقت ہے، وہی عمدہ گرافک[3] ہے
مجھے اک بوسہ دینے میں بھی وہ مس بخل کرتی ہے   نصیب اچھے نہیں میرے، لئے حاتم بھی ممسک ہے
یہاں حدِ سماعت کو نہیں کچھ دخل اے صاحب   یہ مانا آپ قابض ہیں، مگر اللہ مالک ہے
جو گزرو گے ادھر سے میرا اجڑا گاؤں دیکھو گے   شکستہ ایک مسجد ہے، بغل میں گورا بارک[4] ہے
خیالِ آخرت کا حس نہیں جس کی طبیعت میں   اسے کیوں منطقی دنیا میں کہتے ہیں کہ یہ مدرک ہے
خدا ہی کو فقط حاصل ہے حق و دلبری اکبر   دیا دل جس نے دنیا کو، حقیقت میں وہ مشرک ہے

فطرتی سلسلے میں لطف بھی ہے قہر بھی ہے   خوانِ الوان پہ یہاں شہد بھی ہے زہر بھی ہے
اسی میدان میں ہوا تشنہ بھی سے میں ہلاک   اسی میدان کے آغوش میں اک نہر بھی ہے
کیمپ[5] ہی میں نظر آتی ہے انہیں قوتِ قوم   ورنہ بسنے کو تو دیہات بھی ہے، شہر بھی ہے

زخمی نہ ہوا تھا دل ایسا سینے میں کھٹک دن رات نہ تھی   پہلے بھی ہوئے تھے کچھ صدمے، روتے تھے مگر یہ بات نہ تھی

CAMP ۵   BARRACK ۴   GRAPHIC ۳   SPEAKER ۲   COUNCIL ۱

اب نشوونما کا وقت نہیں اب جو نہیں امیدوں کی   دنیا سے لگاوٹ کیا میں کروں نیت ہی نہیں تمہید وں کی
آخر بیاء مدہ کا شوق نہیں دل سے مذاب کا لمتہ ہے   عزت کیلئے کافی ہے دعا ختم کا خیال البتہ ہے

آپ سے بے حد محبت ہے مجھے   آپ کیوں چپ ہیں یہ حیرت ہے مجھے
شاعری میرے لئے آساں نہیں   جھوٹ سے واللہ نفرت ہے مجھے
زور بندی ہے نصیب دیگراں   شاعری کی صرف قدرت ہے مجھے
لغو یورپ سے میں واقف نہیں   دیس ہی کی یاد ہے بس گت مجھے
دے دیا میں نے بلا شرط اُن کو دل   مل رہے گی کچھ نہ کچھ قیمت مجھے
برہمن سے میں نے کر لی دوستی   بت بھی اب کہنے لگے حضرت مجھے

قبل از غرور و ناز حکومت کی فکر کر   فرعونیت کے واسطے سامان چاہیئے
میں نے جو دل کو پیش کیا اس کے سامنے   کہنے لگا وہ شوخ مجھے جان چاہیئے
پنڈت کو بھی سلام ہے اور مولوی کو بھی   مذہب نہ چاہیئے مجھے ایمان چاہیئے

نہیں دستور محبت پر اس کی شرط بڑنا ہے   جو دنیا دار ہے وہ قاعدے کی رو سے اڑتا ہے
سند مجھ کو ملی تو ہیں گئے واعظ لگے کہنے   خری کی ہو گئی تکمیل باقی صرف لڑنا ہے

سر محفل میں ہم اکبر اگر چمکے تو کیا چمکے   سند جب ہے کہ ابھرے ذکر حق نام خدا چمکے
یہ جو ہیں تیری روشنی سے ملتے جلتے ہیں   اندھیرا ہی رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے

زمزمہ شراب سے میری نیت بدل گئی   واعظ کی بات رہ گئی ساقی کی چل گئی
تیار تھے نماز پہ ہم سن کے ذکر حور   جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی
مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے   صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

چمکا ترا جمال جو محفل میں وقت شام   پروانہ بے قرار ہوا شمع جل گئی
عقبیٰ کی باز پرس کا جاتا رہا خیال   دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی
حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں   پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی   لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بے وفا کہیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو   دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی
چشم غفلت کی ہے دنیاوی نتائج پر نظر   دیدۂ تحقیق میں دینی خوشی انجامی بھلی
پختہ ہو کر اپنی شاخ وطن سے ہوتا ہے جدا   اے ثمر چشم محبت میں تری خامی بھلی

میدان عمل لیگ[۱] کا محدود ہے بے شک   ہاں رتبۂ مجلس کی کوئی ناپ نہیں ہے
ہے کاما[۲] ہی کاما جو پڑھے دھر کا نامہ   جز موت کہیں اس میں فل اسٹاپ[۳] نہیں ہے

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے   خدا ہی خوب واقف ہے کہ کس پر کیا گزرتی ہے

نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گل کھلانے کو   یہی ذرے ابھرتے ہیں یہی مٹی سنورتی ہے
وہ دو ذرے بلا اذن خدا مل ہی نہیں سکتے   کہ جن کے میل سے سائنس[۴] کی قوت ابھرتی ہے
جو ہیں اہل بصیرت آنکھیں اکثر بند رکھتے ہیں   نظر ایسے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے
زبانیں مختلف بھی ہوں اگر وہ حق پرستوں کی   بہم مل جاتی ہے زینت کی خوبی نام کرتی ہے

آج وہ بنتے ہیں میرے جبہ و شلوار پر   ایک دن ان کو نہاک بندھوا ئے دھوتی تو سہی
اپنی اسکولی ہو پر ناز ہے ان کو بہت   کپ میں ناچے کسی دن ان کی پوتی تو سہی
اپنی دامن میں آبرو کی کچھ نہیں پروا انہیں   نذر مغربی ترقی ہو یہ موتی تو سہی

فساد اٹھتا ہے فتنہ آپ کی محفل سے اٹھتا ہے   عدو پہلو میں ہو لیکن تو وہ مشکل سے اٹھتا ہے
ہمارے شعلۂ غم کا یقیں تم کو نہیں آتا   تمہیں کیونکر دکھائیں دل میں جو دل سے اٹھتا ہے
اٹھانا بار ناز ستم کا شاق ہے سب پر   بہ آسانی مگر یہ بار اس قاتل سے اٹھتا ہے
سخن وہ دل نشیں ہے جوش خاطر سے جو پیدا ہو   کہ دل میں بیٹھ جاتا ہے وہی جو دل سے اٹھتا ہے
الٰہی فرقت محبوب میں کیونکر بسر ہو گی   نہ دل اٹھتا ہے الفت سے نہ سر دل سے اٹھتا ہے
سوا میرے کہ بیٹھا ہوں تو اٹھ جانے کا ایما ہے   بٹھایا جاتا ہے پھر جو تری محفل سے اٹھتا ہے
نزاکت پر ستم ہے ان کا بوڑھا اس قدر بھاری   وہ بیٹھے ہیں مصیبت ہائے مشکل سے اٹھتا ہے
بت زہرہ جبیں نے پھر وہی چھیڑی ہے اے اکبر   نماز صبح کو اس وقت تو محفل سے اٹھتا ہے!

عجب فتنہ خرام ناز کب قاتل سے اٹھتا ہے   سنبھلتا ہی نہیں دامن قدم مشکل سے اٹھتا ہے
تحمل نا کجا لوٹا ہے اک لشکر مصیبت کا   مدد یارب قدم اب صبر کی منزل سے اٹھتا ہے
ہوئی مدت کہ دنیا سے مرا دل اٹھ گیا لیکن   ہنوز اک شعلۂ یاد رفتگاں ہی دل سے اٹھتا ہے
اٹھاتے یوں تو سب ہیں بار دنیا طوعاً و کرہاً   خوشی کے ساتھ لیکن یہ فقط غافل سے اٹھتا ہے
نہ پائے گا کبھی اصلی مسرت طالب دنیا   پر اس کا ہاتھ کب اس سعی لاحاصل سے اٹھتا ہے
ترقی کی ادھر گھوڑ دوڑ ادھر یہ پیر ناطاقت   وہ آسانی سے کیا دوڑے گا جو مشکل سے اٹھتا ہے
سراپا اک نگاہ دلبری ہے وہ پری پیکر   نگاہ آنکھیں اٹھانا آپ وہ مشکل سے اٹھتا ہے
ہجوم آرزو اس کو دبا دو دل سے ہے ثابت   وہ کود کا رواں ہوتے دھواں منزل سے اٹھتا ہے
فغاں ہی کی صدا گرداب کی جانب ہے اب اکثر   خوشی کا غلغلہ لب ساحل سے اٹھتا ہے
اثر ہے شوق کا صحرائے مجنوں میں یہ اے لیلیٰ   بگولے پر بگولا سا یہ محمل سے اٹھتا ہے
کچھ ایسی دل نشیں ہوتی ہے اشعار اکبر میں   کہ شور مرحبا ہر گوشۂ محفل سے اٹھتا ہے

حکیمانہ بذلہ سنجیاں

(متفرق اشعار، رباعیات، قطعات اور منظومات)

پڑھ کے انگریزی میں دانا ہو گیا   کم[۵] کا مطلب ہی کمانا ہو گیا

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا   شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ   کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

۱؎ LEAGUE ۲؎ COMA، علامت وقف ۳؎ FULL STOP، وقفہ

۴؎ SCIENCE ۵؎ COME

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھ کو چرخ نے   تیغِ ابرو کا تھا عاشق، خاں بہادر کر دیا

لیلیٰ نے سایہ پہنا، مجنوں نے کوٹ پہنا   ٹوکا جو میں نے، بولے، بس بس خموش رہنا
حسن و جنوں بدستور اپنی جگہ ہیں لیکن   ہے لطفِ بحرِ ہستی فیشن کے ساتھ بہنا

کہتے ہیں، شاعری یہ تری بے اصول ہے   کہتا ہوں صاف، میں تو نہیں تجھ کو مانتا
میں نے کہا کہ آپ کی کرتا جو پیروی   تو آپ کے سوا کوئی مجھ کو نہ جانتا

بی-اے کی کمال کامیابی ہے یہی   سروس[1] کے لگاؤ سے معزز بننا

بہتر ہے یہی اے دل، کہہ "لیت" نہ تو "لولا"   دنیا کے حوادث پہ واللہ سکوت اولیٰ

شائقِ تحقیق کے یہ مضموں سُن لیں   انساں کی شکل جیسے میموں بنا
پاجامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا   سمٹا، اُبھرا، غرضکہ پتلون بنا

علم انگلش کا، ملک ہندو کا   اب خدا ہی ہے بھائی صلّو کا

بوزنے کو ارتقا نے کر دیا انساں تو کیا   انقلابِ حرف نے مولی کو ولیم کر دیا

ناواقفِ وزن و شعر جو مجھ کو کہے   اُس کے آگے ضرور ہے چپ رہنا
بلبل کو بھی بے سُرا وہ کہہ دے گا کبھی   ایسے سنجیدہ شخص کا کیا کہنا

مغرب کی لُعبتوں نے اسٹیج کو سنوارا   بجنے لگا پیانو، چپ ہو گیا چکارا
بیتاب ہو کے آخر یہ شیخ نے پکارا   دل می رود ز دستم، صاحبدلاں خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا
گم ہیں مری نظر سے وہ ساحلِ دل آویز   ناکامیوں کی موجیں بہنے لگیں بہت تیز
اسٹیمر[2] اپنے ہم کو دیتے نہیں یہ انگریز   کشتی شکستگانیم، اے بادِ شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم آں یارِ آشنا را
مشرق کے حق میں مہلک مغرب سے ہے یہ پیوند   بدنامیوں سے بچ تو، اے مصلحِ ہنرمند
مصلح یہ بولا اکبر، کی سعی میں نے ہرچند   در کوئے نیک نامی ما را گذر نہ دادند
گر تو نمی پسندی، تغییر کن قضا را
خوش چشم آہوؤں کی صحرا میں ہے چہل کود   موسم بھی روح پرور، ساقی بھی حسبِ مقصود
فطرت کا حکم نافذ، تقویٰ کی فکر بے سود   حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخِ پاک دامن، معذور دار ما را
فہمیدنِ معانی ہر طبع کے تواند   لذت بباید آں دل، کو رازہا بداند
موجے بسینہ خیزد، در شوقِ عشق ماند   گر مطربِ حریفاں ایں نظمِ من بخواند
در وجد و حالت آرد پیرانِ پارسا را

---

۱ SERVICE
۲ STEAMER، دخانی جہاز

صندوقِ کتب بھاری ہے یارب اُٹھ نہیں سکتا   یہ ہے مذہب تو مجھ سے بارِ مذہب اُٹھ نہیں سکتا
ہوا پیدا جگر نئے عنصری مشینوں کو   یہ عقدہ کا انجینئری اب اُٹھ نہیں سکتا

شرق پہ ہے گو کہ ضعفِ پیری غالب   ہر چند کہ ہے غمِ اسیری غالب
مستی اکبر کی رقصِ مس سے نہ گئی   بھونرے پہ ہو سکی نہ جھنجھیری غالب

اکثر اسی ہوس میں بنے ہیں کلوبِ کمپ   اس کے خوشا نصیب جسے ہو رسوخِ کمپ
اب شیخ شہر رہ گئے مُردوں کے واسطے   زندوں کو لے مریں گے ہمارے شیوخِ کمپ

شیعۂ من بے محیط و تثلیث بے مرکز است   می روم سوئے کلیسا طالبم دخترِ رز است

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزورِ تیغ   یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزورِ موت

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے   ہر چہ از باپ می رسد نیکو است
ہو گئی اب خیال کی اصلاح   ہر چہ از آپ می رسد نیکو است

بہ دینِ نیچری بستیم اُمید   ترقی را چو آمادہ بر آمد
ولے از تجربہ ثابت شدہ ہیچ   چو دُم بر داشتم مادہ بر آمد

مارا فلک نشاند بہ پہلوئے آں صنم   مدہوش ماندیم و ندانم دگر چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پُرسد ز پانیر   کرزن[1] چہ گفت، و مل[2] چہ شنید و مِلر[3] چہ کرد

رفت دُنبالِ ڈارون آں شوخ   بوزنہ ماند و آدمی گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند   پئے نیکاں گرفت، مردم شد

ما نیچری شدیم نداریم آگہی   با دیگراں نوشتہ کلکِ قضا چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پُرسد ز جبرئیل   احمد چہ گفت و او چہ شنید و خدا چہ کرد

ہیٹ را نہ بر سر من، جائے دستار اے عزیز   مرد تا مسٹر[4] تواند شد، چرا قبلہ شود

خدا کا گھر نہ رکھا دل کو، بنگلوں میں مکیں ہو کر   بھلایا عرش کو اس قوم نے، کرسی نشیں ہو کر

عہدِ انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر   کیا تعجب ہے جو نکلا ہے پیمبر نمبر

بے پاس کے تو سانس کی بھی اب نہیں ہے آس   موقوف شادیاں بھی ہیں اب امتحان پر

مصارف سے لندن نہ ہو سکے برداشت   غرضکہ یاروں میں افیون ہی گھلی آخر

---

۱ CURZON   ۲ MILL
۳ MILLER   ۴ MISTER

شیخ نے عشقِ بتاں کے وہ طریقے سوچے   کہ ہوئے دیر میں بھی اب بڑے حضرت مشہور

مشرق سے بچے اگر ہوئی ہے نفرت   للہ اکبر نمازِ مغرب تو نہ چھوڑ

شیخ صاحب کا نکل سکتا ہے مطلب کیونکر   نظر آ سکتی ہے اب رونقِ مذہب کیونکر
کارِ دنیا سے فراغت ہی عزیزوں کو نہیں   پھر کہیں اُن سے اِلیٰ ربّکَ فارغب کیونکر

میں ہوا اُن سے رخصت اے اکبر   وصل کے بعد تھینک[1] یو کہہ کر

پائے در پتلون و دل در پیشواز   چند روزے با ہمیں حالت بساز

کر لیا بی بی نے اُن کی انٹرنس اس سال پاس   والدہ صاحب تو ہیں خاموش لیکن خوش ہیں ساس

لاٹھی شیاں اٹھائے اگر ذیب کے خلاف   بے ظلم، اس کو کہیے جو تہذیب کے خلاف

موجِ نصیحت اک طرف، دل کی روانی اک طرف   گل شیخو پورہ اک طرف، میری جوانی اک طرف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے   نئی ملت کا ہوں میں زاہدِ خشک

انجمن کو یہ آگ ہو مبارک   انگریز کو بھاگ ہو مبارک
دہلی کو سہاگ ہو مبارک   قومی بہیں راگ ہو مبارک

کمیٹی میں جتنے ہیں ارکانِ لیگ   بفضلِ خدا سب ہیں میرے کلیگ[2]
مگر اُن سے ہے مجھ کو تخصیصِ خاص   کہ ہے نام کے ساتھ جن کے علیگ

بنگلہ دیکھو تو صرف واحد حاضر   اس پہ یہ غضب کہ جمع غائب بالکل

بدلی کے سبب سے چاند آیا نہ نظر   بیٹھے رمضان کے نمازی ہیں ملول
سائنس نے کر دیا تھا منظورِ انتیس   نیچر نے کہا کہ تو سہی تیس وصول

ہیٹ ہی کو کر لیا جب قوم کے سر نے قبول   دخلِ انگریزی پہ اُردو کی شکایت ہے فضول

فتنہ قائم ہے، مگر وہ مذہبی تعلیم گم   مُہرِ ابراہیم باقی، دینِ ابراہیم گم
حسرتِ عشاق، بازارِ جہاں میں کچھ نہ پوچھ   زر مہیا، زر ندارد، مِس کی کثرت سیم گم
شہرِ دل کے واسطے اب اُن بتوں سے کیا لڑیں   کر چکے ہیں بھائی صاحب جم کو ہفت اقلیم گم

وہ منانے میں بھی بناتے ہیں   کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

---

۱ THANK YOU، شکریہ   ۲ COLLEAGUE

دانم کہ سادگی و خاموشی است اولیٰ   تقلیدِ دہر لیکن بر بُردہ است ہوشم
سودائے گفت در سر، وضعِ صلیب در بر   دانم چرا نگویم، دارم چرا نپوشم

کریما بہ بخشائے بر حالِ قوم   صلوٰۃ است رائج در ایشاں نہ صوم

مرے شکووں سے کیوں بھرتے ہیں وہ اخبار کے کالم   کوئی یہ شیخ سے کہہ دے کہ سُنیے قبلۂ عالم
جدھر صاحب، اُدھر دولت، جدھر دولت اُدھر چندہ   جدھر چندہ، اُدھر آنر[1]، جدھر آنر، اُدھر بندہ

رہ گیا دل ہی میں شوقِ سایۂ الطاف خاص   مجھ کو آنے کی اجازت دی نہیں بیڈ روم[2] میں
کھانے کے کمرہ سے رخصت کر دیا بعد از ڈنر[3]   تھیں فقط چھریاں ہی اور کانٹے مرے مقسوم میں

مغربی ڈھول کا سر میں نہ پہونچتا تھا اثر   اس قدر بات بہت خوب تھی عمامے میں

اُبھرے ہیں عیب اُن کے اور خوبیاں دبی ہیں   بے دین اگر نہیں ہیں تو شیخ جی غبی ہیں
اپنوں کو بد بنایا، بندر کو جد بنایا   بت کو صمد بنایا، کیا خوب قرطبی ہیں
اپنی ہوس کے آگے ملت کو چھوڑ بھاگے   اور کہہ دیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں

حرم میں مسلموں کے رات انگلش لیڈیاں آئیں   پئے تکریم مہماں بن سنور کے بیبیاں آئیں
طریقِ مغربی سے ٹیبل[4] آیا، کرسیاں آئیں   دلوں میں ولولے اُٹھے، ہوس میں گرمیاں آئیں

اُمنگیں طبع میں ہیں، شوقِ آزادی کا جلوا ہے   کھلیں گے گل تو دیکھو گے، ابھی کلیوں کا جلوا ہے

مجھے سُنا کے یہ کہتا تھا ایک طفلِ ذہین   یہ سچ ہے ہم میں وفا و ادب کی بو بھی نہیں
سبب ہے اس کا مگر صرف ضعفِ ملت و دیں   جنابِ قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دیر نشیں

کسی میں دم ہی نہیں ہے تو دم بھریں کس کا   بزرگ ہی نہیں باقی، ادب کریں کس کا

دین و تقویٰ سے بہت دور ہوا جاتا ہوں   بادۂ عیش سے مخمور ہوا جاتا ہوں
مری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت   ترکِ لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

جسے موقع ملا، وہ جا بسا بستی سے بنگلے میں   مزا دیتی ہے ٹھمری اُلفتِ قومی کی جنگلے میں

شیخ جی دیر میں بیٹھے ہوئے گاتے تھے بھجن   نگراں سو رہے برہمن تھے بشوقِ بھوجن
میں نے ٹوکا تو لگے کہنے مناسب نہیں کد   ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

بہت رہے وہ ایچ پیچوں میں حکمت اس کو کہتے ہیں   میں سمجھا خیرخواہ اُن کو حماقت اس کو کہتے ہیں

---

۱ HONOUR، عزت   ۲ BEDROOM، خوابگاہ
۳ DINNER، رات کا کھانا   ۴ TABLE، میز

نئے شیخوں کو کفر سے پاکے قریب، یہی کہتی تھی گو ہرِ زُہرہ جبیں
یہ موئے تو صریح ہیں دشمنِ دیں، ارے اُن کا تو کوئی خدا ہی نہیں
یہ رباکوں پہ چل کے تھکیں گے بہت، بڑے لوگوں کے منہ کو تکیں گے بہت
کمیٹیوں میں تو بکیں گے بہت، وہ سجدے میں شوقِ دُعا ہی نہیں

سُنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ — گھر میں بیٹھے ہوئے والتّین پڑھا کرتے ہیں

تنہائی و طاعت کا، یہ دور ہے اب دشمن — پیڑوں پہ نہ وہ طائر، صحرا پہ نہ وہ جوبن
جنگل کے جو تھے سائیں، وہ ریل کے ہیں پائیں — املی کی جگہ سگنل، قمری کی جگہ انجن
...م کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے — کونسل میں بہت سیّد، مسجد میں فقط جمّن

خورِ فلک کا ماجرا، آپ سے کیا بیاں کریں — تفرقہ دیکھیے ذرا، ہم پہ یہ ہیں عجیب دن
عقل سپردِ ماسٹر، مال سپردِ آنجناب — جان سپردِ ڈاکٹر، رُوح سپردِ ڈارون[۱]

پڑے گنگناتے تھے لالہ نرنجن — نہ آنکھوں میں انجن، نہ دانتوں میں منجن
چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے — کہاں کھینچ لے جائے گا ہم کو انجن

دین سے دور ہیں، مسجد سے پھرے جاتے ہیں — پھر بھی اُس بُت کی نگاہوں سے گرے جاتے ہیں
میں نے مانا کہ کلیں تیز چلی ہیں لیکن — آپ شہتیر نہیں ہیں کہ چرے جاتے ہیں
دو خبر ان کو، خدا سے جو پھرے جاتے ہیں — کہ بُتوں کی بھی نظر سے وہ گرے جاتے ہیں

پسند پر شیخ جی پکارے کہ ہم تو اب بھی مطیعِ رب ہیں — کہا کسی نے یہ مسکرا کہ بڑے میاں آپ تو بڑے غضب ہیں
گو بجٹ ایک چھینک کے بولا[۲] حضور پروا کریں نہ ان کی — ضعیف و خستہ خراب رُسوا یہ میہمانِ چہار شب ہیں

اکبر کے کلام میں مزا کچھ بھی نہیں — گو اُس نے بہت کہا، کہا کچھ بھی نہیں
زلف و کمرِ بُتاں کا مفقود ہے ذکر — شیطان پہ طعن کے سوا کچھ بھی نہیں

بُتوں نے وہ ترقی کی جمالِ روح پرور میں — کہ پھر ان کو جگہ دی قوم نے اللہ کے گھر میں
یہ معنی ہیں کہ پھر سب دل سے عاشق ہوگئے اُن کے — مزا ہر شے میں اب وہ ہے جو تھا اللہ اکبر میں

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے — اُونٹ کے سو لغات جانتے ہیں
ہیں مگر اُونٹ پہ ہمیں فوقیت بعض — کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

بنے بندے سے ہم انسان، ترقی اس کو کہتے ہیں — ترقی پہ بھی نیٹو[۳]، بدنصیبی اس کو کہتے ہیں

۱؎ DARWIN ۲؎ HURRAY ۳؎ NATIVE، ملکی باشندہ

یہ ذرا پوچھو مجھ سے یہ کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں — شیخ یہ سوچو، تمہارے پاس پیسا کیوں نہیں

سامنے کوچ پہ جو لیٹی ہیں — کین صاحب کی پیاری بیٹی ہیں

ہُوں علالت سے میں جو زیرِ علاج — روزہ میرا قضا ہُوا ہے آج
حکم دیتا ہے مجھ کو اس کا دیں — اس مہینے کی ہے دعوتِ مسکیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں — جُزِ اخفش تھے قبل اس کے اب اسپنسر کے کٹّو ہیں

نیست کس مصروف کارِ دیں بہ قلبِ مطمئن — یک فنا فی الآنراست، و یک فنا فی الڈارون

جب کہا میں نے خدا سے آپ ڈرتے کیوں نہیں — وہ بگڑ کر بول اُٹھے، آپ مرتے کیوں نہیں
جب یہ حالت ہے طبائع کی تو کیوں کہتے ہیں لوگ — اکبر اُٹھتے کیوں نہیں، واعظ اُبھرتے کیوں نہیں

نہ لیٹیسنس ہتھیار کا ہے، نہ زور — کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں
تہِ دل سے ہم کوستے ہیں مگر — کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

حکومت سے سبکدوشی ہے حاصل — رکھو بحثِ ترقی کو نظر میں
غنیمت ہے شبِ فرقت کی فرصت — رسالہ لکھو تحقیقِ کمر میں

بے نمازوں میں ہیں وہ اور اس پہ شرماتے نہیں — یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے ہیں

اُن کے حسن، اپنی ضرورت پہ نظر کرتے ہیں — گو خوشامد ہے بُری چیز، مگر کرتے ہیں

نہ دل لپتا ہے بسکٹ پر نہ میں پوری سے لپچتا ہوں — مذاقی حاشیے کو چھوڑ کر دونوں سے بچتا ہوں
دلِ رنگیں ہے یہاں، میلا رچانے کی ضرورت کیا — اکیلا بیٹھ کر میلا کی صورت خود ہی رچتا ہوں
یہ بنگالی ہیں جو ثابت ہوئے ہیں اس قدر ثقل — بحمد اللہ کہ ہمبل پیٹ میں، مَیں خوب پچتا ہوں

ہے حکومت کی جب یہاں نہ رہی — حنفی نفی میں معطل ہیں
ہر طرح اب ہے عاجزی ہم میں — اب ہمارے امام حنبلؔ ہیں

آز اگر ملے جو ہے نام و نمود میں — کیا حرج، زندگی ہو اگر حالِ زشت میں
دوزخ کے داخلہ میں نہیں اُن کو عذر کچھ — فوٹو کوئی لگا دے جو اُن کا بہشت میں

کرتب دکھلائیں ممبری کے کیونکر — جو پیرِ ضعیف قومِ مفتوحہ ہیں
بی لیگ سے کہہ دے کوئی حالت میری — کیوں مجھ سے خفا جنابِ ممدوحہ ہیں

۱؎ SPENCER ۲؎ LICENCE ۳؎ HUMBLE

مدِ نظر ہے ان کو مری صحت کا خیال　　افسوس ہے یہی کہ حریص و خسیس ہیں
خود چکھ رہے ہیں اور مجھے دیتے ہیں یہ حکم　　ایمان لائیے کہ یہ لڈو نفیس ہیں

ورچوئس دیکھتے ہیں وہ نہ سنر دیکھتے ہیں　　فرنیچر دیکھتے ہیں اور ڈنر دیکھتے ہیں

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں　　کہ اکبرؔ ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں
انوکھے ہیں مشاغل حضرت اکبرؔ کے ان روزوں　　الم ترکیف، بیٹھے پڑھ رہے ہیں فیل خانے میں
مرید ان کے تو شہروں میں اڑے پھرتے ہیں موٹر پہ　　نظر آتے ہیں لیکن شیخ جی اب تک میانے میں

دونوں کے خواستگاروں میں شیخ جی گھرے ہیں　　بارہ برس پہ آخر گھورے کے دن پھرے ہیں

لینا تھا کام جن سے وہ مسخ ہو گئے ہیں　　جو عزم تھے ہمارے وہ فسخ ہو گئے ہیں

میں یہ کہتا ہوں، مجھے اچھا کرو، احسان ہو　　وہ یہ کہتے ہیں کہ مرجاؤ تو کیا نقصان ہو
میں یہ کہتا ہوں، مجھے بندہ بنا لو اپنا تم　　وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے کیجیے جو شیطان ہو

ملتے ہی جاتے ہیں ناداں جب اس کے قول کو　　ہے یہی بہتر کہ واپس بھیجیے لاحول کو

ہر آرزوئے دل کی تم تیج نہ کرو　　لالچ میں بہت ضرر ہے لالچ نہ کرو
سینے پہ بتوں کے دسترس مشکل ہے　　پوائنٹ یہ سخت ہے اسے ٹچ نہ کرو

بابو کہنے لگے بجٹ پہ لڑو　　ملک کو دیکھو، اپنے حق پہ اڑو
کہہ دیا صاف ہم نے اے مہراج　　ہو مبارک تمہیں، یہ کام یہ کاج
ما مقیم پالیسیٔ کوئے دلداریم　　با ڈیپوٹیشن است یا غم نیم

باتیں ہرگز خلافِ عزت نہ کرو　　دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو
بدنام کرو نہ وضعِ انگریزی کو　　پتلون پہن کے ترکِ طاعت نہ کرو

انہیں دھوتی مبارک ہو انہیں تہمد مبارک ہو　　مجھے پتلون اور یاروں کو مجھ سے کد مبارک ہو

قسمت کا نام لے کر اب بھی گلا ہے جائز　　لیکن اسی کو بی اے، ایم اے جو ہو چکا ہو

لڑیں کیوں ہندوؤں سے ہم یہیں کے ان سے پنپے ہیں
ہماری بھی دعا یہ ہے کہ گنگا جی کی بڑھتی ہو
مگر ہاں شیخ جی کی پالیسی سے ہم نہیں واقف
اسی پہ ختم کرتے ہیں کہ جو صاحب کی مرضی ہو

---

۱ VIRTUOUS، نیکوکار ۲ SINNER، فاسق، گنہگار ۳ POINT
۴ TOUCH ۵ BUDGET ۶ DEPUTATION ۷ POLICY

نون تنبا کو میں ہے، کیوں میم سے بکتے ہیں لوگ　　مدتوں تک میں نہیں سمجھا تھا اس مضمون کو
آج لٹریری لطیفہ یہ سنا اک دوست سے　　میم نے ماہی کے، نگلا حضرت ذوالنون کو

ان کی کل کوششیں تھیں پولیٹکل　　اس کو خالق کی جستجو نہ کہو
کمپ کے شیخ کو کہو مرحوم　　قدس اللہ سرہٗ نہ کہو

ذرّہ ذرّہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں　　عافیت چاہے تو انسان زمیندار نہ ہو
شیخ صاحب یہ مئے سرخ مجھے تو ہے مفید　　شغل کچھ آپ بھی فرمائیں، جو انکار نہ ہو
مے بھی ہوٹل میں پیو، چندہ بھی دو مسجد میں　　شیخ بھی خوش رہیں، شیطان بھی بیزار نہ ہو
پھیر سکتی نہیں مجھے تقوی سے کوئی صدا　　شرط یہ ہے کہ وہ پازیب کی جھنکار نہ ہو
توپ کی طرح چل اس عہد میں، گو منہ ہو سیاہ　　مرحسن روئی اب اسی میں ہے کہ تلوار نہ ہو
آپ کی جنبشِ ابرو سے ہوئے شیخ بھی چپ　　سچ تو یہ ہے، نہ چلے کام جو تلوار نہ ہو
ابرِ حسن کا آپ کا برسا تو بہت ہے اکبرؔ　　اعتراضات کی احباب میں بوچھار نہ ہو
کہہ دو اکبرؔ سے یہی لوگ ہیں اس وقت کے شیخ　　آل سید کو برا کہہ کے گنہگار نہ ہو
دل ہے پیغام رساں، جاتے ہیں خالق کی طرف　　ہم کو کیا غم ہے اگر ریل نہ ہو، تار نہ ہو
گو تبرک ہے یہ شیخ، ولیکن ہے ثقیل　　دیکھیے شب کی عبادت کہیں دشوار نہ ہو
شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے　　لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

مغرب نے سایہ ڈالا بتوں پہ اثر کے ساتھ　　ساری بھی ان کی ہو گئی غائب کمر کے ساتھ
ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہو ان کا ہم سفر　　موجوں کا اے حباب نہ دے تو ابھر کے ساتھ

احتمالِ فتنہ ہے ہر مجمعِ ملت کے ساتھ　　گشت کرتی ہے پولیس بھی شیخ کی جنت کے ساتھ
چھوڑ کر صحنِ حرم اکبرؔ ہے محوِ طوفِ دیر　　عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کے ساتھ

گھر سے جب پڑھ لکھ کے نکلیں گی کنواری لڑکیاں　　دل کش و آزاد و خوش رو، ساختہ پرداختہ
یہ تو کیا معلوم، کیا موقعے عمل کے ہوں گے پیش　　ہاں نگاہیں ہوں گی مائل اس طرف بے ساختہ
مغربی تہذیب آگے چل کے جو حالت دکھائے　　ایک مدت تک رہیں گے نوجواں دل باختہ
اوجِ قومی سے شرافت کا ہما گر جائے گا　　ماکیاں سے پست تر دکھلائی دے گی فاختہ
ڈال دے گا سینۂ غیرت سپر میدان میں　　تیغ ابرو ہی نظر آئے گی ہر سو آختہ

کریما بہ بخشائے بر حال بندہ　　کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ

نئی اور پرانی روشنی کی مکالمت

نئی روشنی کی تعلی

چھڑتے ہیں تذکرہ کالج و اسکول کے ساتھ　　خیر مقدم ہے ہمارا ڈنر اور پھول کے ساتھ
معترض گو نہیں دینے کے کبھی بھول کے ساتھ　　مستقل چال میں ہم اپنی ہیں معمول کے ساتھ
عمر گذری ہے اسی بزم کی طراری میں　　دوسری پشت ہے چندے کی طلب گاری میں

---

۱ POLITICAL، سیاسی

پرانی روشنی کا جواب

بے ضرورت نظر آتا ہے تعلّق کا یہ فیر　　معترض کون ہے جب آپ کی نیت ہے بخیر
اب تو سب اچھے اپنے ہی ہیں، کم رہ گئے غیر　　نہ حرم آپ کو بیگانہ سمجھتا ہے نہ غیر

آپ کو لطفِ گورنمنٹ سلامت رکھے
مستفید اس سے ہمیں تابہ قیامت رکھے

غربا بھی ہیں مگر قوم کے اجزا اکثر　　غربا ہی سے تعلق میں ہے ان کو تو مفر
دُور ہے ان سے خود آرائیِ مغرب کا اثر　　بحث ان کی بھی اسی بات پہ ہے ختم مگر

آپ کا دل رہِ مغرب کا اگر سالک ہے
کیجیے چین، غریبوں کا خدا مالک ہے

آپ بنگلوں میں ہیں مسرور، تو پھر ہم کو کیا　　آپ مسجد سے ہوئے دُور، تو پھر ہم کو کیا
آپ عہدوں پہ ہیں مغرور، تو پھر ہم کو کیا　　جاہ ہے آپ کو منظور، تو پھر ہم کو کیا

ہمیں اُبھریں گے کبھی، گو ابھی پستی میں ہیں
آپ دھبوں کی طرح دامنِ ہستی میں ہیں

ہر گھڑی فکر ہے، بازاری بھی درباری بھی　　اک مصیبت ہے جوانی بھی، زمینداری بھی

ہے طریقِ جدید خشک مزاج　　میرے حق میں قدیم چال اچھی
گو کہ اس میں ذرا ثقالت ہے　　پھر بھی بسکٹ سے شیرمال اچھی

مچھر بدن سے سب کے پیتا ہے خونِ خالص　　فصد اُسے نہ سمجھو، صاحب یہ چین کیوں ہے
اُڑنے کی طاقت اس کو فطرت نے کیوں عطا کی　　یہ نشترِ ملائم ایرو پلین کیوں ہے

مشرق غریب جھپیٹ میں ہے　　دل سینے میں تھا، سو پیٹ میں ہے
کیوں اس کو ہے مولوی پہ ترجیح　　کیا بات گریجویٹ میں ہے
کیسہ خالی ہے، بکس خالی　　جو کچھ ہے یہاں، پلیٹ میں ہے

زباں اکبر کی اس طرزِ سخن پہ ناز کرتی ہے　　بجن کی دُھن میں تردیدیت طنّاز کرتی ہے
معزز کرتی ہے ان کی نظر، ممتاز کرتی ہے　　بس اتنا ہے، درِ الحاد کو بھی باز کرتی ہے
معاشر کب میں کیوں جائے مجھ سے پوچھنے دل　　مثالِ اوّلیں خود تجھ پہ کشفِ راز کرتی ہے

تدبیرِ حفظِ جان بقیہ ضرور ہے　　اس وقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

لپٹ بھی جا، نہ رُک اکبر، غضب کی بیوٹی ہے　　نہیں نہیں پہ نہ جا، یہ حیا کی ڈیوٹی ہے

جو پوچھا میں نے، ہوں کس طرح سے ہیپی　　کہا اُس مس نے، میرے ساتھ رہ پی

---

[1] AEROPLANE، ہوائی جہاز　[2] BEAUTY
[3] DUTY　[4] HAPPY، خوش

چیز وہ ہے جو بنے یورپ میں　　بات وہ ہے جو پانیر میں چھپے

چکر آیا، اک ایسا جھولا جھُولے　　قومی عزت کی ہسٹری کو بھُولے
جنت کا خیال ہے نہ باغِ دل کا　　گملوں ہی پہ اب تو رہتے ہیں پھُولے

رُوح پرور نہ سہی، نشہ ذرا تیز تو ہے　　نوجوانوں کے لیے ولولہ انگیز تو ہے
نہ سہی معنیِ قومی، فقط الفاظ سہی　　چند احباب کا اک شغلِ دل آویز تو ہے

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نمازِ عید بھی　　تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ، خدا روزی کرے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی　　وِسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

دربارِ سلطنت میں ہے کبر و خود پسندی　　مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی
رندی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر　　لمنیڈ ہے اور وِسکی، بندہ ہے اور بندی

اُلفت نہ ہو شیخ کی تو عزت ہی سہی　　مرشد نہ بناؤ ان کو، دعوت ہی سہی
بگڑا نہ ہو دل، زبان ہی کو روکو　　رونا جو نہ آئے، غم کی صورت ہی سہی

رفتارِ ترقی یہ کہیں ناچ نہ ہو جائے　　یہ قرأتِ مصری کہیں کھماچ نہ ہو جائے
توحید کی تحریک سے زندہ ہے ترا دل　　مغرب کی مگر کوک سے یہ واچ نہ ہو جائے

اذانوں سے سوا بیدار کُن انجن کی سیٹی ہے　　اسی پر شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے
کہاں باقی رہے ہم میں وہ اورادِ سحرگاہی　　وظیفے کی جگہ پانیر یا آئی۔ڈی۔ٹی ہے
گئے شربت کے دن، یاروں کے آگے اب تو اے اکبر　　کبھی سوڈا، کبھی لمنڈ، کبھی وِسکی، کبھی ٹی ہے

گو جھکے ہے یورپ کی طرف بلکہ کمر بھی　　اے نیچر و سائنس، بھلا کچھ تو اِدھر بھی
اغیار تو دُنیا ہیں اٹھائے ہوئے سر پر　　ہم بیٹھے ہیں اس طرح کہ اُٹھتا نہیں سر بھی
اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہوئے واقف　　ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اُس بُت کی کمر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ منشی بھائی　　ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

ساحل نظر آتا ہے نہ مچھلی ہے نہ بنسی　　کیا لہریں لیا کرتے ہیں یہ کانفرنسی

دیر میں محوِ بُت بھی ہے، وعظ میں تند رَو بھی ہے　　شیخ ہمارا خوب ہے، پیر بھی ہے گرو بھی ہے
بُت پہ جو پھر پڑے تو خوش، سجدے میں گر پڑے تو جا　　وضع نئی، چلن نیا، مست بھی ہے، وضو بھی ہے

---

[1] WHISKY　[2] LEMONADE　[3] WATCH
[4] یہ بھی ایک اخبار کا نام ہے جو لکھنؤ سے نکلتا تھا (I.D.T (INDIAN DAILY TELEGRAPH
[5] TEA چائے

یورپ میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی   لیکن فزوں ہے اس سے تجارت بڑھی ہوئی
ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ   دیکھو مگر پیرشن کا ہے سوپ ہر جگہ

غلطی مجھ سے ضرور یہ ایک ہوئی   پیدا وجہِ نصیحت نیک ہوئی
لینا تھا لغت سے اور ہی لفظ کوئی   مس کو جو لیا، یہ مجھ سے مسٹیک ہوئی

وہ تو گرجا پہ رُکا اور یہ گیا کعبے کو پھاند   شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

وضعِ مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی   ناز تو بڑھ گئے، دولت کی ترقی نہ ہوئی

مسمریزم کے عمل میں دہر اب مشغول ہے   مغرب و مشرق میں اک عامل ہے، اک معمول ہے
ہم دجاں کیسے کہ عقلوں میں تغیّر ہو چلا   تھا جو مکروہ، اب پسندیدہ ہے اور مقبول ہے
مطلعِ انوارِ مشرق سے ہے خلقت بے خبر   مستند پر وہ ہے مغرب سے جو منقول ہے
گلشنِ ملت میں پامالی سرفرازی ہے اب   جو خزاں دیدہ ہے برگ اپنی نظر میں پھول ہے
کوئی مرکز ہی نہیں پیدا، ہو پھر کیونکر محیط   جھول ہے، ہیچیدگی ہے، ابتری ہے، بھول ہے

حکام پہ بم کے گولے ہیں اور مولویوں پہ گالی ہے
کالج نے یہ کیسے سانچوں میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے

قابلِ رشک ہے زمانے میں   دن وکیلوں کا، رات عاشق کی

سُدیشی گورنمنٹ سے بچ گئی   یہ بائی پیپرمنٹ سے بچ گئی

افسردگی پہ اُس کے لگا دل جو تڑپنے   کل شب کو کہا میں نے یہ محبوب سے اپنے
گو پاس ترے رہ نہ گئی دولت و حشمت   ہے حسنِ خداداد وہی اور وہی صورت
سونے ہی کی بدھی پہ فقط مجھ کو نہیں غش   پھولوں کی بھی بدھی ہے ترے سینہ پہ دل کش
جو دل کہ تری پھولوں کی بدھی کو نہ پوچھے   برباد ہو ایسا کوئی ادھی کو نہ پوچھے

نہیں بدلی زبان اُس شوخ کی، یہ کون کہتا ہے   میں جب جاتا ہوں اس کی بزم میں سٹ ڈون کہتا ہے

وضعِ سابق سے بُتِ ہندی کو سیری ہو گئی   ہو مبارک ملک کو، مینا کنیری ہو گئی

ہیٹ پہنچی شیخ کے سر پہ جو دل کے جوش سے   اور بھڑکے شعلہ ہائے فتنہ اس سرپوش سے
بن گئے صاحب، ہنر صاحب کا کیا ہے آپ میں   کیا کلیں ٹپکیں گی سقفِ بنگلۂ خس پوش سے؟

باغِ امید کے پھل ہوتے ہیں روز ضائع   ہم کو خدا بچائے اولادِ ڈارون سے

۱ PEARS   ۲ SOAP، صابن
۳ MISTAKE، غلطی   ۴ PEPPERMINT درد
۵ SITDOWN   ۶ CANARY، طائر خوبصورت زرد رنگ

بے دل ہمیں بروزِ سلونو نہ کیجیے   للہ بات مانیے، نو نو نہ کیجیے
کل کی صدا، نہ خوبیِ فطرت، نہ لطفِ دید   بہتر یہی ہے خواہشِ فونو نہ کیجیے

مجھ خستہ کی ہستی نہیں کچھ آپ کے آگے   بھرتے کی ہے کیا اصل، مٹن چاپ کے آگے

ملک پر تاثیرِ چشمِ ووٹ طاری ہو گئی   معنیِ شیخ و برہمن میں فوجداری ہو گئی
ہندوؤں کو کیوں نہ اب بھائی بنائیں صلح دوست   آریہ مذہب میں بھی توحید جاری ہو گئی
ممبری پہ جنگ ہو، اس میں گئو کا کیا قصور   ملک میں بدنام ناحق یہ بچاری ہو گئی
کرتے ہیں بائیسکل پہ خوب وہ دفعِ بیاج   اب تو بیلن ارغنوں کا یہ سواری ہو گئی

ہم کیا کہیں، احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے   بی اے ہوئے، نوکر ہوئے، پنشن ملی، پھر مر گئے

جن لوگوں نے مسلموں کو بہکایا ہے   کامل کب ان کو علم و فن آیا ہے
جو فلسفی ہیں اصیل، وہ ہیں خاموش   الحاد تو ٹٹینیوں نے پھیلایا ہے

لیا صبحِ شبِ وصل اس کا بوسہ میں نے یہ کہہ کے   اسی پر بول اٹھی وہ شوخ مس یہ فائنل ٹچ ہے

تھا امن کسی قدر سو وہ دن بھی چلے   ظاہری کی سمت اہلِ باطن بھی چلے
مجلس پہ ہوا اضافہ کانفرنس   مسلم تو جا چکے تھے، مومن بھی چلے

اس مس کی زباں رات جو لی میں نے دہن میں   بولی کہ تری راہِ ترقی میں یہ ہیج ہے
میں نے کہا اسکالرِ مشرق ہوں میں اے مس   چپ رہ کہ یہی میری سکنڈ لینگویج ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی   ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے جیلنٹ خالی   کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

شیعہ و سُنی میں جنگ اک دھوم دھامی ہو گئی   چار یار اور پنج تن کی نیک نامی ہو گئی
کیا شرف بخشیں گی تم کو عرش پر یہ کاوشیں   جب زمیں پر تم کو غیروں کی غلامی ہو گئی
ایک قرآں، ایک قبلہ، ایک اللہ، اک رسولؐ   بدنصیبی ہے کہ تفریقِ دوامی ہو گئی
مومنانِ امن جُو کو دیر کی سُوجھے گی اب   جب حرم کے صحن میں بدانتظامی ہو گئی
اشتعالِ آتشِ افسردہ اس طوفان میں   پختہ طبعوں سے الٰہی کیوں یہ خامی ہو گئی
جس نے کھولی بہرِ صلح و آشتی اپنی زباں   پیشِ حق مقبول اس کی خوش کلامی ہو گئی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا جاتا ہے   اب تو انجن بھی مسلمان ہوا جاتا ہے

۱ NO NO، نہیں نہیں   ۲ مشین
۳ PHONO، یعنی فونوگراف یا گراموفون   ۴ MUTTONCHOP
۵ VOTE ۶ FINAL TOUCH   ۷ HEDGE، رکاوٹ
۸ SECOND LANGUAGE   ۹ DEPUTYE

اکبر بھی تو ہی کام کر اُٹھے بشوقِ مغفرت ہز ہائی نس کے ہم عناں ہز لولینس بھی ہو گئے

مجھ کو ہے پسند اس سبب سے یُو۔ پی یعنی یو پی کا قافیہ ہے ٹُو پی
ہے فصلِ بہاری بھی ہم آہنگ اس کی جب آتی ہے کرتی ہے اشارا ٹُو پی

دورِ یُونیورسٹی میں ان کی تُرقی ہے ضرور شیخ جی مدیون ہیں اور قوم ڈگری دار ہے

شیخ کو گانٹھے سلیقے سے چین کر مغربی طریقے سے
متفق اس پہ ہو گئے کرومہ اب تو یہ مسئلہ ہے مفتے بہ

نامی کے آگے ٹیمز کا دل چسپ پاٹ ہے گنسگو کی جاں فزائی کو گنگا کا گھاٹ ہے
ڈوبے ہوئے ہیں یہ بھی مگر اپنی بات میں پیرو بھی بہہ رہے ہیں خیالی فرات میں

یہ اتنی سرپرستی تیری اے شرقی غنیمت ہے دیئے جا چندہ، بس تعلیم کی ترقی غنیمت ہے

اُنظر الی الاُبل کا تصور جو دل میں ہے یہ وجہ ہے کہ آج تک آزر ابل میں ہے
کمسریٹ اب بھی اس کا ہے محتاج دیکھیے معذور اگرچہ اس کا قدم آب گل میں ہے

کچھ الٰہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

راہِ مغرب میں یہ لڑکے لُٹ گئے واں نہ پہنچے اور ہم سے چھُوٹ گئے

شوق ہے پُن کا، نہ طاقت پاپ کی سب ہیں بس بڑھتی منالتے آپ کی
ہو چکے ہنگلی کے کھیرہ، اب ہمیں فکر ہے گنگا کنارے جاپ کی
قطر جو کچھ ہو، محیط اک انچ ہے دھوم ہے ان کی کمر کی ناپ کی
شیخ جی، تانی کے گھر میں تو جسم ورنہ اب مٹی ہے ہستی آپ کی

مل جاتا ہے دنیا سے اُس کو، جس شخص کا جتنا حصّہ ہے
ہے اتنی بات ٹھکانے کی، باقی تو کہانی قصّہ ہے

وہ فرماتے ہیں یہ اکبر، یہ روزہ اک قیامت ہے بجا ارشاد ہوتا ہے، مگر افطار جنّت ہے

میں نے جو کہا، دیکھو تو ذرا اب قوم پہ کیسا جوبن ہے وہ ہنس کے لگے کہنے صاحب یہ قوم نہیں ہے فیشن ہے

عزیزان وطن کو پہلے ہی سے دیتا ہوں نوٹس چُرٹ اور چائے کی آمد ہے، حُقّہ پان جاتا ہے
یہ اتنی رستانی طفلِ مکتب کی نہیں اچھی زباں آتی ہے اس کو، ٹیچ ہے لیکن کان جاتا ہے

مری ڈاڑھی سے رہتا ہے وہ بُت انکار پیتا تم مگر جب دل دکھاتا ہوں تو فوراً مان جاتا ہے

وہ مس بولی میں کرتی آپکا ذکر اپنے فادر[۱] سے مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے، پاگل کا ماتک ہے
فرمانا شیخ جی نے چلے گئے دس پانچ یہ کہہ کر اگر قابض ہیں یہ بسکٹ تو ہوں، اللہ مالک ہے

لگی لپٹی ہر اک سے یہ بھی عادت تمہاری ہے مری جاں اس میں اک دن احتمالِ فوج داری ہے

ترقی پر خدا کے فضل سے ہے بزمِ رنداں بھی فقط پیرِ مغاں تھے، آ گئے اب پیرِ نسواں بھی

شیخ بھی ہیں دیر کے سائل، بس اتنا فرق ہے مجھ کو بوسا چاہیے، اُن کو سموسا چاہیے

کیا تعجب ہے دیا ووٹ جو لالہ کے لیے بُت تو تھے ہی مرے معشوق، برہمن بھی سہی
کھول کر در کو کہا اس بُتِ اسکولی نے جب نقاب اُٹھ گئی آگے سے تو چلمن بھی سہی
کاش کر دے مجھے وہ شاہدِ ہوٹل منظور کیک تو روز ہے، اک رات تتمّن بھی سہی
سُنتا ہوں قبر مری ریل میں آ جائے گی خود مٹا ہوں جب اسی راہ میں مدفن بھی سہی

قلی اک اس طبیعت کا ملا جو کل یہ کہتا تھا مرے دل میں خیالاتِ بلند آنے نہیں پاتے
سڑک پر کام میں تکلیف ہے بنگلے پہ بے تکلفی یہاں سایا نہیں ہے اور وہاں گانے نہیں پاتے

کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے منہ موڑیے گرم پانی ڈالیے یا چارپائی چھوڑیے

زندگی تھی ہی مصیبت، موت بھی برباد ہے کس قدر اس دور میں بگڑا ہوا ہے دین ہائے
ماسٹر ہیں زچ میں، لڑکوں کی شامت دیکھیے اُن کا فوٹو لیتے ہیں، پڑھتے نہیں لیلین ہائے

کیا خوشی اس کی مجھے، ان کو جو نوابی ملی روح تھی صاحب نے لی، مجھ کو وہی آبی ملی

جیب ہے مفروری زر سے بے تحاشا دیکھیے جلوۂ بازارِ مغرب کا تماشا دیکھیے

نکلا بہ آب و تاب بنارس سے اولڈ بوائے[۲] اللہ اس کو گولڈ[۳] بھی دے اور پرل[۴] بھی
خواہش ہے اب یہ بعض محبانِ قوم کی نکلے کسی طرف سے یوں ہی اولڈ گرل[۵] بھی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

وہ ہیں ذی علم و معزز جن کا ارشاد و عمل طالبانِ حق کے دل کی کر رہا ہے رہبری
بعض اسپیکر نظر آتے ہیں تم کو، یہ تو ہیں نوکری اور ممبری کی منڈوی کے چودھری

---

۱ FATHER فادر ۲ OLD BOY
۳ GOLD سونا ۴ PEARL موتی
۵ OLD GIRL

۶ HIS HIGHNESS ۷ HIS LOVELINESS
۸ COMMISSARIAT محکمۂ رسد ۹ NOTICE

بہ غنچے میں کی اُمید کے کھلنے نہیں پاتے   خدا اس پیٹ سے سمجھے کہ دل ملنے نہیں پاتے

اُن سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی   یہ نہ بتلایا، کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

زنان میں رنگ باغی کا، نہ ان میں بوئے باغی کی   یہ حجت ہے فقط درگاہِ قومی پر چپراغی کی

یہ پردہ در کو سوئے قوم کس نے بھیجا ہے   کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے
یہی ہے عقدہ کشائیِ قوم تو اک دن   ازار بند کو کہہ دیں گے، جنس بیجا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی   چلی جاتی ہے گستاخی بغندے خاں کی لاٹھی کی

باز آئیں گے نہ پولٹیکل[1] انٹریگ سے   جب کچھ نہیں، تو لاگ لگائیں گے لیگ سے
اک شغلِ زندگی ہے، بہارِ نمود ہے   منظور دشمنی نہیں اپنے کلیگ[2] سے

نہیں کچھ اس کی پرسش اُلفتِ اللہ کتنی ہے   یہی سب پوچھتے ہیں، آپ کی تنخواہ کتنی ہے

اب کہاں دستِ جنوں، تارِ گریباں اب کہاں   پانیر اور دستِ مجنوں اور خبر ہے تار کی
ے یا شیریں نے مگسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا   ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

آزاد ہوں، نہیں ہے کوئی مدعائے خاص   جس رُخ پہ ہے قافیہ، مرا مطلب بھی ہے وہی
مذہب کو شاعروں کے نہ پوچھیں جنابِ شیخ   جس وقت جو خیال ہے، مذہب بھی ہے وہی

ذرے تم کو کم فرصت، یہاں قلب تھے سے کم خالی   چلو بس ہو چکا ملنا، نہ تم خالی، نہ ہم خالی

ب حاضریِ شب کی اجازت طلب ہوئی   کیوں ضبطِ شوقِ دل کی ضمانت طلب ہوئی

کچھ اور بذلہ سنجیاں

بحرِ آزادی میں یہ کیسا تموّج ہو گیا   قاصرات[3] الطرف کو شوقِ تبرّج[4] ہو گیا

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہو گا   پلاؤ کھائیں گے احباب، فاتحہ ہو گا

مرا کینہ نتیجہ ہے جفائے چرخِ گرداں کا   مرا پینا ہے منبع سیلِ اشکِ چشمِ گریاں کا
مرا جینا ہے بس اک سلسلہ انفاسِ سوزاں کا   مرا سینا ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا
طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا
خدا سر دے تو سودا دے کسی دل چسپ میداں کا   خدا زر دے تو دل کو ذوق دے یورپ کے ساماں کا
خدا پر دے تو ہدہد کر دے بلقیس و سلیماں کا   خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا

---

[1] POLTICAL INIRIGUE، سیاسی جوڑ توڑ   [2] COLLEAGUE
[3] نیچی نگاہ والیاں   [4] اپنا بار سنگار دکھاتے پھرنا

دورِ گردوں نے اُبھارا دیر کو، سچ ہے مگر   یہ نہ کہیے حضرتِ سیّد نے بھی کیا کر لیا
اُن نگاہوں سے کہ جو تھیں خوگرِ طوفِ حرم   آفریں کہیے کہ بُت خانے کو اپنا کر لیا

رشتۂ در گردنم افگندہ پیٹ   می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ[1]

بزرگانِ ملت نے کی ہے توجہ   کمی پہ رہیں گے نہ عالم نہ عابد
ترقی دیں ہو گی اب روز افزوں   علی گڑھ کا کالج ہے لندن کی مسجد

دونوں صاحب ہیں محبِّ قوم کس کو ووٹ دوں   پیش کر سکتا ہوں کیونکر کوئی دعویٰ بے دلیل
بس دعا میری یہ ہے، اللہ فرمائے عطا   کامیابی ایک کو اور ایک کو صبرِ جمیل

ہُوا آج خارج جو میرا سوال   کہا میں نے صاحب سے با صد ملال
کہاں جاؤں اب میں، ذرا یہ بتاؤ   وہ جھنجلا کے بولے، جہنم میں جاؤ
یہ سن کر بہت طبع غمگیں ہوئی   مگر اس تصوّر سے تسکیں ہوئی
کہ جب اہلِ یورپ میں بھی ذکر ہے   تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

متفرقات

مبارک ہو فلک کو مائلِ جور و ستم رہنا   طریقِ حق پہ لازم ہے ہمیں ثابت قدم رہنا

مسلم ہے مگر بات نبی کی نہیں سُنتا   لڑکا ہے مگر اپنے ولی کی نہیں سُنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش   آپس میں تو اب کوئی کسی کی نہیں سُنتا

من نگویم کہ دریں باغ بے جنگ درآ   آخرت پیشِ نظر دار و بہر رنگ درآ

اس دورِ فلک میں کوئی کیا دیکھے گا   جو کچھ دکھلائے گا خدا، دیکھے گا
رنجیدہ ہے جس نے ابتدا دیکھی ہے   بے حس ہو گا جو انتہا دیکھے گا

اثباتِ خدا کو، منطقی اُٹھ نہ سکا   خاک حیرت سے ذہن ہی اُٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری   ثابت ہونے کا بار بھی اُٹھ نہ سکا

ایسے غمزوں سے دلِ خوں گشتہ کیا ہو گا بحال   اب تو جو ہونا تھا وہ اے چشمِ کافر ہو چکا

بُوئے گل میں فسوں ہی وہ نہ رہا   موسم بدلا، جنوں ہی وہ نہ رہا
سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبر   جب اپنی رگوں میں خوں ہی وہ نہ رہا

بگڑا میں بہت اُن پہ مگر بات بنی کیا   آنا بہ تکلف جو ہوا بھی، اشٹدنی کیا

زمزمہ اوجِ فلک پہ ہے یہی برڈ[2] کا   ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہر ورڈ[3] کا

---

[1] PLATE   [2] طائر، BIRD   [3] لفظ، WORD

زینت گیتی ہے ملکِ اعظمِ برطانیہ — سکّہ بیٹھا ہے دلوں پر حضرتِ اڈورڈ[1] کا

ہم کو ابرو کی کجی[2] نے مارا — شیخ صاحب کو کجی[3] نے مارا
خانہ دیں ہوا القصہ تباہ — آئی آواز کہ انا للہ

گئی حق پرستی بھی اس دور سے — شرافت کو بھی چرخ نے تہ کیا
یہی شرط دعوت ہے اب قوم میں — اگر سیم داری، بیا، ورنہ بیا

پیدا ہوا دماغ میں جوشِ نشاط کیا — ننھا سا پھول دیکھیے، اس کی بساط کیا

اثر سب پہ پڑا ہے انقلابِ رنگِ عالم کا — نہ اب ہے طعن کا موقع، نہ ہے اب وقت ماتم کا
بسر کر باقناعت زندگانی کنجِ عزلت میں — نظر ہی پر مناسب ہے تصور چھوڑ دے ہم کا

کیا زور تھا دعظِ نیچر میں، دیوتاؤں کا بھی جی چھوٹ گیا
تقویٰ کی بنائیں ہو گئیں شق، شیرازہ ملت ٹوٹ گیا

ایک اس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبرؔ — یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

شکر ادا کرنا ہے واجب اُن کی طبعِ نیک کا — ہرڈر سے بھیجتے ہیں مجھ کو نوٹوکیک کا
ضعف سے رعشہ ہے، یا مغربی ہوا کا ہے اثر — ہینڈ[4] کو میرے مرض لاحق ہوا ہے شیک[5] کا

ہم تو ہر حال کو ماضی ہی سمجھ لیتے ہیں — لوگ مر جائیں گے اور وقت گذر جائے گا

شیخ لندن میں بھی مسجد کی بنا پر خوش کیا — کعبۂ دل میں کلیسا عشقِ مس کا بن گیا

ہے بے اثر کیا نہیں جس نے، فقط کہا — اکبرؔ نے یہ کہا تو کہو، کیا غلط کہا

فتحِ عرب پہ گو ہے تمہیں شوقِ ناز کا — بہتر ہے اُس سے ذوقِ درود و نماز کا
گردن اٹھائیے نہ بہت پالیٹکس[6] میں — مسجد میں اب ہے کام جبینِ نیاز کا

ہو جا گتوں میں شامل یا تو ہو سونے والا — ہو کر رہے گا اکبرؔ جو کچھ ہے ہونے والا

وقت ہی پہ ہر ایک کام اچھا — آسماں کا پروگرام اچھا
قُرب ہے جن کو تختِ شاہی سے — دُور ہی سے اُنہیں سلام اچھا

فضول بحث میں وقت اپنا کھو نہیں سکتا — زیادہ اب شبِ غفلت میں سو نہیں سکتا

گذر گیا دلِ دنیا پسند دنیا سے — اس انجمن کا میں اب رُکن ہو نہیں سکتا

مصیبت آ پڑی تو سہل ہے شدت سے غم کرنا — مگر مشکل ہے جینا، باخبر غفلت کو کم کرنا

کرتا نہیں کوئی ان میں ذکرِ مولےٰ — ہے مانگ روپے کی، غل ہے دِل لا، ہتو لا
مجلس ہے یہی تو اس سے عزلت بہتر — دنیا ہے یہی تو ترکِ دنیا اولےٰ

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا — طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

بے زر و نمود کا اثر کیا — جب مغز نہیں تو لفظ سر کیا

صوفی کا مذہب مختصر سب سے کھرا سب سے جدا — ہم تم کے جھگڑے لغو ہیں، یا کچھ نہیں یا سب خدا

نہیں اہلِ یقیں جب وہ، تو یہ کیا مذہبی ہوں گے — اثر پڑتا ہے شاگردوں پہ اُستادوں کے باطن کا

ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو جکڑا دیا — مغربی فقروں نے لیکن مُنہ کو انجن کر دیا

طلبِ زر ہے جن کو اے اکبرؔ — وہ رہیں منکرِ خزانۂ غیب
ہم تو مضموں وہیں سے پاتے ہیں — معتقد ہم تو اس کے ہیں لاریب

نہیں مناسب کہ ہو یہ بہوا کبھی حریفِ عزیز صاحب — بجا ہے فرما رہے ہیں جو کچھ حکیم عبدالعزیز صاحب

حکیم اور بید یکساں ہیں اگر تشخیص اچھی ہو — ہمیں صحت سے مطلب ہے، بنفشہ ہو کہ تُلسی ہو

حواس مختل، سمجھ پریشاں، عمل میں سُستی، قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہے، کبھی کوئی پالیسی[7] ہے غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبرؔ
مقیمِ دیر و مریدِ شیخ و اسیرِ قانون و محوِ مغرب

اگلی روش جو تھی، وہ تھی پیغمبری کی بات — موجودہ ہر طریق ہے کاریگری کی بات

پڑا تھا چٹائی پہ گوشے میں میں — نہ اُٹھا جو آئے مرے ایک دوست
شکایت اُنھوں نے جو کی، کہہ دیا — تواضع زگردن فرازاں نکوست

در کارِ چندہ، سیم و زر از جیب دُور رفت — مال حضور بُردہ، براہِ حضور رفت

تضمین بر غزل حافظ

واقفِ سرِ خفی، حافظِ اسرار بماند — حسدِ بیگانۂ باطن، صفِ اظہار بماند

---

[1] EDWARD
[2] ایک نفس پرستی میں مبتلا ہے
[3] ایک آزر پرستی میں مبتلا ہے
[4] HAND، ہاتھ
[5] SHAKE، جنبش، شیک ہینڈ، ہاتھ ملانا
[6] POLITICS، سیاسیات
[7] POLICY

خلق صدرہ طرف شبہ و اقرار بماند　　ہر کہ شد محرم دل در حرم یار بماند
و آنکہ ایں کار ندانست ، در انکار بماند

شش و پنج اس میں کسی کو ہے نہ ہے ہفت نہ ہشت　　بے خطر کوچۂ رندی میں لگاتے رہے گشت
نہ گلشن ہی ہوا معترض اُن پہ نہ تو دشت　　خرقہ پوشاں ہمگی مست وگذشتند وگذشت
قصۂ ماست کہ بر ہر سرِ بازار بماند

قیس و فرہاد کے قصوں سے بھرے ہیں دفتر　　آج تک اُن کے فسانوں کا دلوں پر ہے اثر
خوب فرما گئے ہیں حضرتِ حافظ، اکبر　　از صدائے سخنِ عشق نہ دیدم خوشتر
یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند

میں نے کہا کہ اب تو مسجد سے ہے مجھے کد　　گرجا اُبھر کے بولا میں اس سے خوش ہوں بیحد
میں نے کہا مخالف تیرا بھی ہے دل تو بولا　　میری ہی پالسی کی واللہ ہے یہ ابجد
شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

غمِ عشقِ تو دے را چو لطیف و پاک سازد　　غمِ دہر را چہ یارا کہ وُرا ہلاک سازد

مسِ من فگند بر من نظرے کہ کس نداند　　دلِ من گرفت از وے اثرے کہ کس نداند
چو سوال کردم از وے زمآلِ کار کالج　　ز پروفیسر شنیدم خبرے کہ کس نداند

حفظِ مکتب کہ سخنہا زِ زباں می گوید　　شکوہ کم کُن کہ چُنیں گفت و چُناں می گوید
طبع او نوگراف است و سرودش سبقش　　آنچہ بستند بر و نقش ، ہماں می گوید

نہ سُنّی ہے خوش اور نہ شیعہ ہے شاد　　ہے دونوں کے مرکز میں برپا فساد
غمِ ترکی و ماتمِ بدشیا　　مسدّس اُدھر ہے اِدھر مرثیا

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند　　اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند
ہاں علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو　　اک معزز پیٹ تم اس کو کہو
پیٹ ہے سب پر مقدم اے عزیز　　گو کہ فکرِ آخرت ہے اصل چیز

نہ ہر کہ ووٹ بیندوخت، ممبری نداند　　نہ ہر کہ بحث بیاموخت، لیڈری داند
نہ ہر کہ ہیٹ بپوشید و کوٹ در بر کرد　　ادائے مغرب و آئینِ مسٹری داند

تھی مرے پیشِ نظر وہ مسِ تہذیب پسند　　کبھی وسکی مجھے دیتی تھی، کبھی شربتِ قند
ملک الموت نے ناگاہ بھری ایک زقند　　پارک کو چھوڑ کے ہونا ہی پڑا قبر میں بند
حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
رُوئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آمادگی مجھے تو رہی ہر گناہ پہ　　فضلِ خدا سے بُت ہی نہیں آئے راہ پہ

ہیں اہلِ جہاں منکرِ اللہ سے کد پہ　　دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کی لحد پہ
ہنگامے انہیں کے لیے ہیں صلِّ علیٰ کے　　جو زیست میں عاشق تھے ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پہ

حضرتؐ کی نبوت میں ہو کس طرح مجھے شک　　ہر ذرّہ کو ہے وردِ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ
تھی شانِ جلالی کہ عدو رُک گئے آخر　　وہ نور تھا عالی کہ صنم جھک گئے آخر

میں بھی ہوں بدل مؤیدِ آزادی کا　　لیکن اک نکتہ سُن لے اے پاک ضمیر
آزاد ہوا اس لیے کہ اغیار نہ ہوں قید　　مطلب یہ نہیں کہ خود ہو غیروں کے اسیر

نشتر روباہ سے کمتر ہیں بن بن محتبس ہو کر　　بنے ہیں شیر گُتّے زینتِ آغوشِ مس ہو کر
قرارِ دل نہیں، تو نورِ عرفاں کیا جگہ پکڑے　　وہ شکلِ مہر و مہ موجوں میں کب ہے منعکس ہو کر

احباب نے طویل مضامیں وہاں پڑھے　　لیکن مری زبان کا تھا حصّہ، مختصر
میں نے تو بزمِ نعت میں اتنا ہی پڑھ دیا　　بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

پیری و افسردگی سب کچھ سہی اکبر مگر　　ظلم ہے تیری خموشی شوخیٔ گفتار پہ

یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی چیخ پر　　اور دین ہے کباب ضرورت کی سیخ پر

نہ سُن تو حسرتاں کا وعظ بھائی، خوشی سے تقلید بکس لے کر
پھرے گا کیمپوں میں آخر اک دن ، دیا سلائی کا بکس لے کر

فاقہ سمجھو نہ اسے، اس میں ہے اسرار نہاں　　عالمِ دیں جو ہیں، وہ جانتے ہیں صوم کے سر
نہ تجارت کا سلیقہ، نہ عبادت سے لگاؤ　　یا گورنمنٹ کے دفتر میں ہیں، یا قوم کے سر

اس نظم کا نقطہ نقطہ ہے منبعِ نور　　ہر حرف سے ہے تجلّیٔ حق کا ظہور
اوجِ ملکوت کا ہے عالم ہر لفظ　　ہر بیت اقبال کی بیت المعمور

اللہ رے انقلاب طرز و مذاقِ مشرق　　حافظ کے شعر کیسے سب پڑھ رہے ہیں ریڈر
لیلیٰ کا نازِ رخصت، اسکول مسٹرس ہیں　　سودائے قیس غائب، اب وہ بنے ہیں لیڈر

تا توانی در جہاں طالب مشو مطلوب باش　　با معاشر سہل باش و نیک باش و خوب باش
مذہبے در گرد و فہم اُستاد اکبر، چارہ نیست　　با ہمہ آزادگی ہا با یکے منسوب باش

اک شاعری وہ ہے جو بڑھاتی ہے عقل و ہوش　　اک شاعری وہ ہے جو دلاتی ہے دل کو جوش
ارشاد ہو تو قسمِ سوم کو بھی کر دوں عرض　　اک شاعری وہ ہے کہ جو ہے صرف واہ نوش
لیکن کوئی بھی قسم ہو، اچھا ہے شعر اگر　　محفل کو غالباً ہمہ تن پائے گا بگوش

ل HUXLY

پیش آئے ہیں امورِ عادت کے خلاف   پایا انہیں ہم نے اپنی راحت کے خلاف
اولاد کو غالباً یہ تکلیف نہ ہو   وہ خود بھی ہیں مورثوں کی خصلت کے خلاف

اُنے والے نہ رہے انجمنِ دل کی طرف   کوئی کالج کی طرف ہے، کوئی کونسل کی طرف

بل کھائیں ہزار خواہ چھانٹو منطق   نیچر تو ہے اپنی اصل ہی پہ عاشق
لکھی ہے صحیح اک فرنگی نے یہ بات   مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق

وسعت ہو زباں کی اُدھر جھک   متروک کو دیکھ کر تو مت رُک

ہے لیڈرِ قوم کون، جب ہو یہ سوال   کہہ دو اکبر کہ بس برٹش اقبال

فطرت سے الگ اگر تمہارا ہے خیال   تاثیر کچھ اس میں ہو، یہ ہے امرِ محال
گو طرزِ بیاں پہ شورِ تحسیں اُٹھے   مقبول نہ ہوگے پیشِ اربابِ کمال

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل   کہ آنریں گھر میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے   مری انجمن بھی اُسی رُخ چلے
کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ   عوض لڑکے، آپس میں چلتے ہیں ووٹ
کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس   کوئی شہدِ اسپیچ کی ہے مگس
کوئی شوقِ تحقیق میں غرق ہے   کوئی راہِ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضمون نگاری کی دُھن   کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق   کسی کو نمود و نمائش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں   سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
جدھر بحرِ ہستی بہائے بہیں   خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات   مسلماں کو ہے فرض اُدھر التفات

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہوئے جمع بہرِ دُعا و سلام   کلیسا میں انگریزِ عالی مقام
کہا میں نے، ہوں میں تو مسجد سے دُور   تو گرجا میں ان کا ہے کیوں ازدحام
خدا جانے آئی کدھر سے صدا   کہ اے بے خرد، مسلمِ ناتمام!
کے راکہ اقبال باشد غلام   بود میلِ خاطر بہ طاعت مدام

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم   گویا شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمعِ اخلاص   جلنے والے بہت ہیں، دل سوز ہیں کم

صوم ہے ایماں سے، ایماں رخصت صوم گُم   قوم ہے قرآں سے، قرآں رخصت، قوم گُم

جلوۂ قدرتِ باری ہے سدا پیشِ نگاہ   نہ حکومت کا ہے ماتم، نہ غمِ مال سے کام

کوئی ماضی میں ہے اُلجھا کوئی مستقبل میں   صحبتِ سرمد پہ مجھے تو ہے فقط حال سے کام

مغالطے میں پڑے ہیں ہمارے اہلِ وطن   کہ قوم کے لیے مذہب کا کوئی کام نہیں
قوام قوم کا مذہب ہی ہے زمانے میں   کہاں کی قوم، جب اس کا کوئی قوام نہیں

بُت کی سی اگر کہیں تو اللہ کہاں   اللہ کا نام لیں تو یہ واہ کہاں
خاموش رہیں تو دل کو بے چینی ہو   بھاگیں تو سکت کسے ہے اور راہ کہاں

قولِ ملحد ہے کہ نیچر ہو گیا میرا معین   اور فلک کی ہے صدا وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْن
ہم خموشی سے تماشا دیکھتے ہیں دھر کا   دیکھنا ہے کون سچ کہتا ہے، دنیا یا کہ دین

کمیٹیوں میں ہے رونے کا خوب شوق انہیں   مگر نماز و دُعا کا نہیں ہے ذوق انہیں
بغیرِ طاعتِ حق، ہے محال یک جہتی   خدا کرے کہ نظر آئے تحت و فوق انہیں

دخل اُن کو نہیں عشق و محبت کے فنوں میں   بے ہمت و بے سوز، یہ جانیں ہیں تنوں میں
بے شمع کے پروانے ہیں واللہ یہ اکبر   رقصاں ہی انہیں دیکھ لو بس انجمنوں میں

اسیرِ حرص کب باغیرت و ذی ہوش رہتے ہیں   مٹا دیتے ہیں، مٹ جاتے ہیں، یا خاموش رہتے ہیں
معانی گرم رکھتے ہیں جنہیں اللہ اکبر سے   انہیں سینوں میں اے اکبر، دلِ پُر جوش رہتے ہیں
عجب میداں ہے جس میں ہے مشقِ سعی بے حاصل   عجب بستی ہے جس میں مردِ ناحق کوش رہتے ہیں

کیجیے جو صرفِ طاعت روحانیت سے بحث   مجھ کو ہنوز امید ہے، بیگانگی نہیں
مکر و فریب و ظلم، یہ سب اُس میں ہیں مگر   شیطان میں دلیری و مردانگی نہیں

کہنا مجھ کو جو کچھ ہے، وہ کہنے دیں   دینی علموں کی موج کو وہ بہنے دیں
شبلی کی دعا بتانِ مغرب سے یہ ہے   ندوہ کو حضورِ قبلہ رُخ رہنے دیں

تسبیح وہ اب کہاں، وہ تہلیل کہاں   قرآنِ مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیالِ فردا کس کو   جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

اس پیڑ میں خوب ہی کھٹمل آئے ہیں   ہر شاخ میں پانچ سات پھل آئے ہیں
اکبر نے کہا کہ ہم غریبوں کے لیے   نیچر کی طرف سے پارسل آئے ہیں

نہ ہوں جو شعر مرے آپ کو پسند نہیں   پسند فرض نہیں اور مجھے گزند نہیں
بجز خطائے نظر اور سہوِ کاتب کے   کچھ اعتراض اگر ہیں تو سود مند نہیں
حدود میں نے معین کیے ہیں اپنے لیے   اور ان حدود کے اندر کہیں ہیں بند نہیں

یہ قولِ کفر جو مانو بھی تم بفرضِ محال   کہ روح ہیچ ہے اور بعدِ مرگ کچھ بھی نہیں
خدا کا نام ہے جب بھی، بشر کو اک نعمت   وگرنہ دل کے لیے ساز و برگ کچھ بھی نہیں

آپ کی کل[5] میں مرا سُوت تو کتنے کا نہیں   کفر کے ساتھ میں اخلاق برتنے کا نہیں

وہ کبھی مجھ کو جوابِ نامہ لکھتا ہی نہیں   جب گِلا کرتا ہوں، کہہ دیتا ہے پہنچا ہی نہیں

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں، ریشے کو کیا کریں   مذہب[1] کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشے کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے، تجھ کو صبر   کہنے لگا بتایئے، تیشے کو کیا کریں

میں نے کچھ اختلاف کیا آپ سے اگر   غصہ عبث ہے، آپ کا نوکر نہیں ہوں میں
اے قبلہ مجھ پہ آپ چڑھے آتے ہیں یہ کیوں   ممبر اس انجمن کا ہوں، منبر نہیں ہوں میں

روپے کو اپنے کریں صرف وہ بڑے غلّے میں   تو کام آئے غریبوں کے اس محلّے میں
یہ بات مجھ کو تو اے ہاشمی پسند نہیں   کہ صرفِ دولتِ عشرت ہو گیند بلّے میں

ڈپوٹیشن[2] کی سرسبزی جو دیکھی اُس نے شملے میں   برہمن نے کہا یہ شاخِ بید اور ایسے گملے میں
کہا مہدی نے، بھائی تم کو کیوں اس درجہ حیرت ہے   تمہارے واسطے یہ کیا محلِ رشک و غیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اس بُت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں   حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے بیٹھے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں   اجی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں، ان کی گھاتیں ہیں
کہا مہدی نے، ہم کو تو مزے سے اپنے مطلب ہے   محبت ہو نہ ہو اُن کو، امید اس کی یہاں کب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا ضعف ہے   کہا مہدی نے، ہاں، اس بات سے بندہ بھی واقف ہے

مفقود ہے گو کہ آج یارونیشن[3]   صد شکر ہوا ظہورِ کارونیشن[4]
مانگو خالق سے حضرتِ جارج کی خیر   تم بھی ہو جاؤ گے ٹومارو[5] نیشن

حضرت خود واقعات تصنیف کریں   ہم بیٹھ کے انجمن میں تعریف کریں
فطرت پہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو   بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

صلح رہی اب نہ گوارا ہمیں   سلف گورنمنٹ[6] نے مارا ہمیں
کام تو جو کچھ ہے وہ ہے آپ کا   نام ہی نے صرف اُبھارا ہمیں
درد کسی کا نہ رہا دل میں اب   خوب دیا تم نے سہارا ہمیں
قوم کی تفریق میں ٹکڑے اُڑے   ملک سے اب کیا ہے سہارا ہمیں
آئینہ ہے حسرتِ دنیا کا حال   یاد ہیں اسکندر و دارا ہمیں
جلوہ دکھانے کا اُنھیں شوق ہے   کاش مبارک ہو نظارا ہمیں

غضب کی آتش فشاں ہوا ہے، پڑے ہیں بستر پہ جل رہے ہیں
عرق میں ڈوبے ہوئے سراپا، تڑپ رہے ہیں، اُبل رہے ہیں

---

[1] آپس کی خانہ جنگی مراد ہے، نہ وعظ مذہب   [2] DEPUTATION، وفد
[3] NATION، قوم   [4] CORONATION، تاجپوشی
[5] TOMORROW، کل   [6] SELF-GOVERNMENT

مٹاتے ہیں جو وہ ہم کو، تو اپنا کام کرتے ہیں   مجھے حیرت تو ان پر ہے، جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

انجینئری نہ آئے تو ایجاد کیا کریں   قائم عروجِ قوم کی بنیاد کیا کریں
خامے سے کام لیتے ہیں، بے کار عقل ہے   یا ترجمہ ہے یا تو کتابوں کی نقل ہے

یہ تو مشکل ہے کہ آپ اسپیچ دیں، ہم چپ رہیں   ہاں مگر اس میں نہیں کچھ عذر، جو کہیے کہیں
مرد جنٹلمین[1] ہو کر پا رہے ہیں جب عروج   بیبیاں پھر گھر میں رنج کس نیری کیوں سہیں
مطمئن رہیے، نہ رہ جائے گا عورت کا حجاب   چادرِ قومی کی اب حسنہ کھلتی جاتی ہیں تہیں
اک طرف دامِ ترقی، اک طرف موجِ شراب   ہر طرح حاضر ہیں ہم، کہیے پھنسیں، کہیے بہیں

اگر مذہب خلل انداز ہے مُلکی مقاصد میں   تو شیخ و برہمن پنہاں رہیں دیر و مساجد میں

ترقی کی تپیں ہم پر چڑھا کیں   گھٹا کی دولت، اسپیچیں بڑھا کیں
رہیں ہر پھر کے آیا، بی نصیبن   وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

مری طرزِ فغاں کی بُوالہوس تقلید کرتے ہیں   خجل ہوں گے، اثر کی بھی اگر اُمید کرتے ہیں

جہاں کے انقلابوں کے بھی کیا کیا رنگ ہوتے ہیں   بشر کی کیا حقیقت ہے، فرشتے دنگ ہوتے ہیں

گذر اُن کا ہُوا کب عالمِ اللہ اکبر میں   پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں

ہمیں تو چاہتے ہیں کھینچنا، خود ہم سے کھنچتے ہیں   یہ اُن کی پالسی کے باغ کس پانی سے سِنچتے ہیں

نہ اب وہ طشتِ زریں ہیں، نہ وہ چاندی کے کلسے ہیں
کیسی خوانِ نعمت ہے، فقط لفظوں کے جلسے ہیں

فلک پر شانِ عظمت سے ستارے جگمگاتے ہیں   خدا کی سلطنت کی جُوبلی ہر شب مناتے ہیں
یہی نظارہ ہم کو محو رکھتا ہے سدا اکبر   فرشتے بے ٹکٹ یہ منظرِ اعظم دکھاتے ہیں

قدم انگریز کلکتے سے دہلی میں جو دھرتے ہیں   تجارت خوب کی، اب دیکھیں شاہی کیسی کرتے ہیں

خدا ہی کی عبادت جن کو ہو مقصود اے اکبر   وہ کیوں باہم لڑیں گو فرق ہو طرزِ عبادت میں

فلک کو ضد ہے کہ منّت کروں پئے راحت   مجھے یہ ہٹ ہے کہ ایذا سہوں اور اُف نہ کروں
وہ کہہ رہا ہے کہ ذلّت سہو تو جاؤ چمک   مری یہ آن کہ ایسی چمک پہ تُف نہ کروں

پیارا ہے فقط اللہ کا نام، آرام اسی سے روح کو ہے   اور یوں تو حوادث بے حد ہیں دنیا میں بہت افسانے ہیں

---

[1] GENTELMAN

عجب کیا شیخ برگڈ میں جو مشتاقِ غلامی ہیں ۔۔۔ ہمارے اونٹ صاحب خود بھی کسر پٹیکے حامی ہیں

غیر کو نامے میں وہ مائی ڈیر لکھتے ہیں ۔۔۔ مجھ سے بیگانہ وشی ہے مجھے شر لکھتے ہیں

ہوٹل سے بھلا پرہیز تمہیں، اے پنڈت جی مہراج کہاں
سچ بات کہی، جس نے یہ کہا، جب لاگ لگی تب لاج کہاں
نظروں میں بسا ہے رنگ وہی، آنکھیں وہی گلشن ڈھونڈتی ہیں
موسم وہ نہیں ہے اے اکبرؔ، جو بات تھی کل، وہ آج کہاں

سر جھکا کر ان کی سیوا کر، تو گردن کو نہ تان ۔۔۔ برہمن یورپ کو مان اور ایشیا کو شودر جان
وزنِ لائلٹی پہ نازاں ہیں مرے ارکانِ شعر ۔۔۔ فاعلاتن فاعلاتن، فاعلاتن فاعلان

اک برگِ مضمحل نے یہ اسپیچ میں کہا ۔۔۔ موسم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمہیں
اچھا جواب خشک یہ اک شاخ نے دیا ۔۔۔ موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

اگر ڈوبے ہوئے ہیں آپ سچ مچ حق پرستی میں ۔۔۔ تو کرتے رہیے کام اپنا انہیں حالات پستی میں

آپس میں رہنا صلح سے خوئے بنی آدم نہیں ۔۔۔ اکثر اسی پر ہے عمل، یا تم نہیں یا ہم نہیں

بیان اپنی مصیبت کا تھا مجھے منظور ۔۔۔ خیال تھا سوئے تشبیہ، جستجوئیں تھیں
ہوا جو ٹائی ٹینک غرق، کہہ دیا میں نے ۔۔۔ کہ دل مرا تھا اور اس دل کی آرزوئیں تھیں

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو ۔۔۔ جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد ۔۔۔ اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کونسل میں اگر پرسش نہ ہوئی مغموم نہ تم اے یار ہو ۔۔۔ اللہ بلانے والا ہے، مرنے کے لیے تیار رہو

الاپو مغربی سُر میں کوئی راگ ۔۔۔ اٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو
جنون لیڈری کا دور ہے یہ ۔۔۔ فلک کو کد ہے، بگڑو اور بگاڑو
خموشی اور قناعت ناروا ہے ۔۔۔ فلک کو کد ہے، بگڑو اور بگاڑو

کیوں جلا رکھا ہے اس دور نے پیری میں مجھے ۔۔۔ ستم غیر ضروری یہ فلک کا دیکھو
کہا گردوں نے، نہیں غیر ضروری یہ بات ۔۔۔ اپنے مٹنے کا بتدریج تماشا دیکھو

ہادیِ قوم بنو، قوم کے مہمان بنو ۔۔۔ خود تو پہلے مگر اے یار مسلمان بنو

کیا ہے کہ ہوا ان کا ہم سفر ۔۔۔ موجوں کا اے حباب نہ دے تو ابھر کے ساتھ

SIR ۔۔۔ MY DF

۲۲ء، جہاز میں پندرہ سو لیڈر بین سماید غرق ہوگئے برد جو رہے

فلسفے میں کیا دھرا ہے گھر کا ہو یا لندنی ۔۔۔ سعی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ
دشمنِ دانا سے بچ، پہچان نے نادان دوست ۔۔۔ صرف لفاظی سے ان روزوں نہیں ملنے کی بھیک

دلا دے ہم کو بھی صاحب سے لائلٹی کا پروانہ ۔۔۔ قیامت تک رہے سید تمہارے گھر کا افسانہ
اڈیٹر بول اٹھے دیکھ کر شبلی کے نوٹ کو ۔۔۔ اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتب خانہ
مقرر کہہ رہے ہیں وضعِ ملت کے تغیر پر ۔۔۔ بندھی تھی یہ دُھن تو بس اب ہو چکا مسلم کا ترانا
بہت مشکل ہے نبھنا مشرق و مغرب کا یارانہ ۔۔۔ ادھر صورت فقیرانہ، ادھر سامان شاہانہ
مبارک شیخ کو نانِ جویں کے ساتھ یہ قرات ۔۔۔ ہمیں تو دیر میں پرشاد کھانا اور بھجن گانا
یہ یونیورسٹی کا مسئلہ کیا کم تھا اے گردوں ۔۔۔ کہ چھیڑا تو نے ہم میں ٹرکی والی کا افسانہ

یہ قسمت شیخ جی کی ورنہ اکبرؔ ۔۔۔ کجا وہ بت کجا آمنت باللہ

مرشد کی طلب میں جو میں اٹھا، تو یہ بولے ۔۔۔ اک پیر ڈر خوردہ و سر سمت دویدہ
مردہ سمجھ ان کو کہ جو پہنچے ہوں خدا تک ۔۔۔ مرشد ہیں وہی، جو ہیں گورنمنٹ رسیدہ

مجھ کو حسرت نہیں اس کی کہ کریں یاد مجھے ۔۔۔ یاد آئی بھی تو کیا، آئی جو تحقیر کے ساتھ
مسمریزم کی ہو تدبیر نہ آدوں ہی پہ مشق ۔۔۔ چھوڑ دیں مجھ کو وہ آنکھیں مری تقدیر کے ساتھ

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ ۔۔۔ لذت اس میں ہے کہ مل جائے ترے دل میں جگہ

ہر ایک مسلم پکارتا ہے، وہ خواہ سُنی ہو خواہ جنّی ۔۔۔ خدا کی طاعت جو ہے باہر فلیس منّی فلیس منّی

الحاد کی بنیاد ہے جس چیز نے ڈالی ۔۔۔ دشمن اسے سمجھے گی نظر دیکھنے والی
اکبر کی فُغاں کو نہ کہو خام خیالی ۔۔۔ فرماتے ہیں رو رو کے یہ خود حضرتِ حالی
اے خاصۂ خاصانِ رسُل وقتِ دعا ہے
امّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

شیطان ہے دل جو نورِ ایماں نہ رہے ۔۔۔ دشمن ہے زباں جو وردِ قرآں نہ رہے
کہتی ہے یہ ہسٹری بہ آوازِ بلند ۔۔۔ تم کچھ نہ رہے اگر مسلماں نہ رہے

نہایت سچ یہ قولِ میرزا سلطان احمد ہے ۔۔۔ کہ مذہب خود دعا ہے پھر دعا سے کیوں تمہیں کد ہے

روز افزوں ہے بلاشبہ برٹش اقبال ۔۔۔ جو خلاف اس کے تصور کرے وہ وہمی ہے
اپنا اقبال مگر اس نے جو سمجھا ہے اسے ۔۔۔ یہ نئی روشنی کی سخت غلط فہمی ہے

بہت ہے ذکرِ مذہب کمپ میں ذکرِ خدا کم ہے ۔۔۔ فغاں کا شوق بے حد ہے مگر ذوقِ دعا کم ہے

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ بند ہیں ۔۔۔ مسلموں کی جاہ و شانِ و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے، اب اس کی ضرورت ہی نہیں ۔۔۔ میرزا یا نہ اما تھی، سلطنت کی بات تھی

خون میں غیرت رہی باقی، تو سمجھے گا کبھی   خوب تھا پردہ، نہایت مصلحت کی بات تھی

دونوں کو اگرچہ ہے طلب آزر کی   رُخ ان کے جُدا ہیں اس کی علت کے لیے
بنیاد وہ اپنی چاہتے ہیں مضبوط   بے چین ہے یہ نمودِ حالت کے لیے
ہندو، عزت طلب ہے زر کی خاطر   مسلم کو طلب ہے زر کی، عزت کے لیے

احسان نہ کچھ الحاد کا ہے، امداد نہ کچھ شیطان کی ہے
اکبر کی دلیری حق تو یہ ہے، یہ زندہ دلی ایمان کی ہے

وہ نیر قوم کی ہے، نہ پُشتہ، نہ بھیت ہے   بگڑے ہوئے جو بن رہے ہیں، یہ دنیا کی ریت ہے
ہنگامۂ طرب نہیں یہ شورشِ نظام   رنج و محن کا ساز ہے، چکی کا گیت ہے

ممدوح شرق و غرب و شمال و جنوب تھے   تعریف تھی ہنر کی، بری از عیوب تھے
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تم سے کہ کیسے ہیں   ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

نقشِ ماضی، منظرِ بے معنی و مفہوم ہے   مصلحت فطرت کی ہے یا ذہن کا مقسوم ہے
ہو رہا ہے لاکھوں ہی موجوں میں یہ بحرِ فنا   ورد کے قابل فقط یا حیّ یا قیوم ہے

اس بات میں ہے اک رمز نہاں، اس قافیے میں چالاکی ہے
جب آہ و بکا کا ذکر نہ ہو، تو وہ مجلس بے باکی ہے

مجھ گدا کو کر دیا رخصت جوڑے کر عطرِ پان   فاقہ تو ٹوٹا نہیں، ہاں عزت افزائی ہوئی
مرکزِ دل، بزمِ مشرق میں کوئی ملتا نہیں   ہر طبیعت مغربی چکر میں ہے آئی ہوئی
مذہب و وضع و زبانِ قوم کا کس کو خیال   جب اکابر کی نظر آزر کی شیدائی ہوئی
نظمِ اکبر کو سمجھ لو یادگارِ انقلاب   یہ اسے معلوم ہے، ملتی نہیں آئی ہوئی

نئے مسلم کا اب کوئی نہ ماخذ ہے نہ مرکز ہے   یہ ہے کے دن کی سروس، اور وہ کب تک معزز ہے
جو مستی اس سے پیدا ہوگی، دُختر ہوگی وہ کس کی   یہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمہاری دُخترِ رز ہے
نہ پھیلا پاؤں تو اتنا حیاتِ چند روزہ میں   سمجھ لے قبر میں تیرے لیے جا صرف دو گز ہے

نہیں ہے کچھ شناسائی بے اصول ارادوں سے   خدا بچائے مجھے اِن زمانہ زادوں سے

وہ وقعت اٹھ گئی جب دل سے آئینِ حجازی کی   امامِ قوم بلنے کو ضرورت کیا نمازی کی
تنزل سے اب تجلی ہیں مگر یہاں واعظ کی محفل میں   نہ کوئی مجلسی کی بات سنتا ہے، نہ رازی کی

ٹھیک سہ پڑھ سکتا نہیں، کہتا ہے نا موزوں مجھے   خود زبانِ معترض ہی خارج از تقطیع ہے

مشرق کے جو ہو رہے، وہ پستی میں پڑے   مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے
پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں   آخر یہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے

مادہ نہیں اتنی مضطرب نر کے لیے   آمادہ ہیں جس قدر وہ نر کے لیے
نوحصے تم اپنی نوکری کو دے دو   دسواں حصہ تو ہو پیمبر کے لیے

ہوش آیا ہے تو ہنگامۂ ہستی بھی سہی   حسن لذت ہے طبیعت میں، تو مستی بھی سہی
اصل مقصود ہے خالق کی پرستش لیکن   صورت اچھی ہو تو انسان پرستی بھی سہی

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں   کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اس کا کہاں ہے
نیچر ہی سے ابھرا ہے ترا قامتِ رعنا   نیچر ہی میں واللہ، قیامت بھی نہاں ہے

بے دینوں کو جوشِ مستی کیا ہے   بندوں میں یہ خود پرستی کیا ہے
کہتی ہے فلک کی گردش اُن سے   تم کیا ہو، تمہاری ہستی کیا ہے

کہتے ہیں وہ کہ اکبر کچھ باؤلا ہوا ہے   مذہب میں بات کیا ہے مسجد میں کیا دھرا ہے
اک روز لاٹ صاحب بھی تو پوچھ دیکھیں   گرجا میں کیا دھرا ہے جتا جو داں پڑا ہے

مجھ کو بے دل کر دے ایسا کون ہے   یاد مجھ کو اَنتُمُ الاَعلَونَ ہے

حاصل ہے جو اباغ کی معمول ہے مٹی   مٹی ہے کبھی پھول، کبھی پھول ہے مٹی

ہے جلوۂ مہر، پرتوِ ماہ تو ہے   سینے میں تمہارے قلبِ آگاہ تو ہے
ظاہر جو نہیں ہے حامیٔ دیں کوئی   بیدل کیوں ہو رہے ہو، اللہ تو ہے

رخصت وہ ہوا جو آیا تھا، وہ جائے گا جو آیا ہے   حیرت ہو تو کیا، صدمہ ہو تو کیا، دنیا میں یہی ہوا ہے

سینے پہ بحرِ حُسن کے، سونے کی چین ہے   سینے میں دو حباب، طلائی یہ چین ہے

زمانے میں مجھے خواہش نہ اس کی ہے نہ اس کی ہے   سرورِ طبع کو کافی فقط اک جامِ وہسکی ہے

حسبِ فرمائش اڈیٹر نظام المشائخ

کیونکر کہوں، طریقِ عمل اُن کا نیک ہے   جب عید میں بجائے سوئیوں کے کیک ہے
مجبور ہوں مگر نہ بگڑوں اُن سے کس طرح   اب تک وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ایک ہے

اکبر کی صاف گوئی کو شیخ نے کیا پسند   کل کہہ رہے تھے یار میں، اپنے کا لیگ ہے
اللہ سے لگائے رہیں کو جنابِ شیخ   ہم نے تو دل کی لاگ لگائی ہے لیگ سے

موڑ سے نہ گردن کبھی اے یار نکالی   تو نے نہ مری حسرتِ دیدار نکالی

---

[1] HONOUR، عزت   [2] REFORM، اصلاح
[3] SERVICE

بت کدے میں جو ملکشا تھے، وہ بالم ہو گئے   تھے جو کافر، وہ حرم میں جانِ عالم ہو گئے
قصد یہ تھا کر دوں اس مطلع کو شرحِ مختصر   لکھنے کو بیٹھا جو میں، کالم کے کالم ہو گئے

شمشیرِ زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالیے   شمشیر کو چھپائیے، زن کو نکالیے

نقد و جنسِ انجمن قوم میں موجود نہیں   یاں تو نقشوں کی صرف خانہ پری ہوتی ہے

دارالاسلام اب تو شہیدِ بتانِ مغرب ہے   اب انہیں کے زیرِ سایہ ان کا دارالحرب ہے

کشتِ دل کو نفع پہنچے، اشک ایسی چیز ہے   دیدۂ گریاں پہ واٹر ٹیکس[1] کی تجویز ہے

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت   وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں جائیے پی کر حسبِ دستور   تلاوت کرتے ہیں وہ پانیر کی

جب سے عشووں کے نقشے زیبِ ٹیبل ہو گئے   بیسیوں بندے خدا کے آنر ایبل[2] ہو گئے

ہمارے شیخ کی زندگی بے سود کاٹیں گے   مرے ولفیر[3] میں بھی انٹرسٹ[4] اب وہ نہیں لیتے

اب کہاں نشو و نمائے نہالِ معنی   کس زمیں پر دلِ پرجوش کی بدلی برسے
بزم حافظ ہے نہ میدان ہے فردوسی کا   قوم کو کام ہے بس ضابطہ لٹریچر سے

اُس بت کی محبت نے چھڑایا ہمیں سب سے   باقی رہی الفت نہ عجم سے نہ عرب سے

تکلفِ امروز اور ہے اور فکرِ فردا اور ہے   راہِ دنیا اور ہے اور راہِ عقبیٰ اور ہے
نوجوانوں سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف   چشمِ بینا اور ہے، چشمِ تماشا اور ہے

بادہ خواری کا ذکر اب شعر میں بے سود ہے   کیا ضرورت نقل کی، جب اصل ہی موجود ہے

اُبھرا ہے رنگِ سودا، دیوانگی ہری ہے   بے جوشِ موسمِ گل، جو پھول ہے، پری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظِ عبرت   یہ بھی مرے پڑے ہیں، وہ بھی بجھی دھری ہے

کعبے میں جلوہ گر وہی، دیر میں مستتر وہی   لیتے ہیں ہم خدا کا نام کہتے ہیں رام رام بھی
ہاں وہ مس کہ شیخ جی پہلے مرے حریف تھے   اب سمجھ ان کو آ گئی، دوست بھی ہیں، غلام بھی

جہانِ فلک کہاں سکوں پاتا ہے   آسودہ جو ہیں، انہیں بھی ٹہلاتا ہے
ہے مضغہ کی فکر میں یہ نقل و حرکت   ظاہر یہ ہے کہ پیٹ دوڑاتا ہے

منظور اے دل ہماری عرضی ہو گی   اُس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہو گی
اس دورِ فنا میں ہو گی لیکن جو بات   وہ صرف برائے نام و فرضی ہو گی

بہتر یہی ہے، پھیر لیں آنکھوں کو گائے سے   کیا فائدہ ہے روز کی اس ہائے ہائے سے

کمزوریوں کو روک دیں، زوروں کو کیا کریں   مسلم بچے تو فوج کے گوروں کو کیا کریں
منہ بند ہو سکے گا مسلمان شریف کا   چسکا مگر نہ جائے گا صاحب سے بیف[1] کا

دنیا ہی اب درست ہے، قائم نہ دین ہے   زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق   عہدِ انگریزی ہے یہ اے جانِ جاں، تباہی گئی

بجا ہے، جائے جو مٹ یونیورسٹی کے لیے   جنون قوم کو جائز ہے اس پری کے لیے

قائم ہی بوٹ اور موزا رکھیے   دل کو مشتاقِ مس ڈسوزا رکھیے
ان باتوں پہ معترض نہ ہو گا کوئی   پڑھیے جو نماز اور روزہ رکھیے

نغمۂ قومی کا مطرب آج کل ہے سرسٹی[2]   تال ہے ذکرِ ترقی، سم ہے یونیورسٹی[3]
دین کی اُلفت دلوں سے اُن کے یونہی کم ہٹی   مسلم اُٹھ جائیں گے، رہ جائے گی یونیورسٹی
ہے ضروری لیڈروں میں غیرت و تقویٰ و دین   خود جو اُن میں نقص ہو تو ہے یہ اے اکبر پٹی[4]

فرق آیا رنگ و بو میں، ہوا کو ترس گئے   ایسے بچے کہ ہند میں مسلم اُبس گئے

کالج و تحریر و حکام ہمہ در کار اند   تا تو پاسے بکف آری و کنی عہدہ پری
طاعتِ حق بھی مگر شرط ہے روٹی جو ملے   شیخ سعدی نے کہا ہے کہ بغفلت نخوری

دیکھ آئے، قوم کھلتے تھے جسے   چند لڑکے ہیں مشن اسکول کے
بار آور پارک میں یہ ہوں گے کیا   گملوں ہی پر رہ گئے ہیں پھول کے

ترقی ہو اکی شاہدِ مغرب کے جوبن کی   عجب خوش فعلیاں ہیں آج کل شیخ و برہمن کی
نہ چندہ ہے، نہ بندہ ہے، فقط مغرب کا خندہ ہے   اگرچہ ندے یہی حالت، بری شیخ و برہمن کی

کالج ہے دنیوی فوائد کے لیے   قائم ہے یہ ایسے ہی مقاصد کے لیے
مسجد میں یہاں جو مولوی صاحب ہیں   کپتان ہیں مذہبی قواعد کے لیے

کہتا ہوں تو تہمتِ حسد ہوتی ہے   خاموشی میں دل کو سخت کد ہوتی ہے

---

[1] WATER TAX   [2] HONOURABLE
[3] WELFARE، فلاح   [4] INTEREST، دلچسپی

[1] BEEF، گائے کا گوشت   [2] CITY، شہر
[3] UNIVERSITY   [4] PITY، افسوس

دنیا طلبی ضرور ہے انساں کو   لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے

ایامِ شباب و موسمِ گل، تقویٰ کی یہاں کیا ہستی ہے   ہر عضوِ بدن پہ لذت جو، ہر قطرۂ خوں میں مستی ہے

خیال آتا ہے اکثر، اے خدا کیا ہونے والا ہے   قریب المرگ ہیں، ہم پر بھی کوئی مرنے والا ہے

جس کو خدا سعید کرے، وہ سعید ہے   روزے ہوئے ہوں جس کے قبول، اس کی عید ہے

قوم کیسی، کس کو اب اُردو زباں کی فکر ہے   غم غلط کرنا ہے بس اور آب و ناں کی فکر ہے
ایک پر اجماعِ اکثر کا بہت مشکل ہے اب   سب ہیں مضطر اپنے مُنہ مٹھو میاں کی فکر ہے
ہو نہیں سکتی مرتب کوئی بزمِ سامعیں   ہر زباں کو ایک تازہ داستاں کی فکر ہے

عزم کر تقلیدِ مغرب کا، ہُنر کے زور سے   تُحفہ کیا ہے کہ یہ موٹر پہ زر کے زور سے
غیر ملکوں میں ہُنر کر سیکھ، تکلیفیں اُٹھا   رو سکتے ہیں وہ اگر اپنے اثر کے زور سے
نسخۂ آمنّتُ بالمغرب سے چلکے تیچری   بابوؤں کا کام نکلا شور و شر کے زور سے
نغمۂ شب پر حریفوں کو نہایت ناز ہے   وہ نہیں واقف مری آہِ سحر کے زور سے

کالج بنا، عمارتِ فخر النسا بنی   شکرِ خدا کہ مل گئے آخر بنا بنی
بے پردگی کی ہو نہ یہ در پردہ اک بنا   جن کو یہ ڈر ہے، اُن کی تو جانوں پہ آ بنی
لیکن نگاہِ نبض شناسانِ وقت میں   امراضِ قوم کے لیے عمدہ دوا بنی

طلب اپنی نہ بڑھنے دو ضروری رزق کی حد سے   بچالے گی قناعت تیری تجھ کو، کفر کی زد سے

دم تم میں ہے خدا ہی کی حمد و سپاس سے   دینِ خُدا جُدا نہ کرو اپنے پاس سے
عہدے جو سو پچاس کو اچھے ملے تو کیا   قائم نہ ہو گی قوم کبھی سو پچاس سے

کیوں خدا کے باب میں بحثوں کی اتنی دُھوم ہے   ہست میں شبہ نہیں ہے اور چیست نامعلوم ہے
اس تغیر پر بھی ہے ذہنوں میں قائم کوئی چیز   اور وہ کیا ہے، فقط یا حیّ یا قیّوم ہے

گئے وہ دن کہ ہم سب سے بڑے تھے، ہم سے سب کم تھے
ہمیں اب کچھ نہیں ہیں، اک زمانے میں ہمیں ہم تھے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دُھوم ہے   مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

رُوح کا پہچاننا سب سے بڑا سائنس ہے   اس لیے ہادیٔ دیں مطلوبِ جن و انس ہے

موسمِ گُل میں خبر شورِ عنادل کی کہی   خُوش رہے بادِ صبا، اس نے مرے دل کی کہی

اشعارِ غیر سے تو مجھے کم سند ملی   من گفتم و محاورہ شد سے مدد ملی

عُشّاق وقتِ مرگ قریں کیوں ہوں یاس سے   خُوش ہیں نجات مل گئی بارِ حواس سے

یہ کیا تم نے کہا اب کوئی ملجا ہے نہ ماویٰ ہے   خدا کے فضل سے بھائی، علی گڑھ ہے، اٹاوہ ہے

ذوقِ لقائے حق سے دل کو تمہارے بھر دے   باطن کی ہے یہ خوبی، مُشتاقِ مرگ کر دے

ہو خیر یا رب اکبرِ آشفتہ حال کی   سرجن رقیب اور دوا اسپتال کی

دل میں قوت ہے کچھ نہ جان میں ہے   زندگی اب فقط زبان میں ہے

جانتا ہوں، ہو رہا ہے، جو نہ ہونا چاہیے   بحث یہ ہے کب تلک اس غم میں رونا چاہیے

اظہارِ مصیبت میں اکبر تجھے کیوں کد ہے   اب بہرِ خدا چپ ہو، رونے کی بھی اک حد ہے

جنہیں نہیں فکرِ آخرت کی، یہ بن سنور کر اُدھر گئی ہے
اسی سبب سے عروسِ دنیا مری نظر سے اُتر گئی ہے

اظہار اس معنیٔ نازک کا، الفاظ کی حد سے باہر ہے
ہر چیز کے سمجھے ہے گردش اس کے جو حدِ خرد سے باہر ہے

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے   اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے
دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہ مستحقِ داد   منزل سے اس کو کام ہے، اس کو کلیل ہے

گُلِ تصویر کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے   مرے صیّاد نے بُلبل کو بھی اُلّو بنایا ہے

تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اک دامِ بلا ہے   اے کاش کہ اس عہد میں ہم باپ نہ ہوتے
یہ آپ کی برکت ہے کہ یہ پیچیدگیاں ہیں   بہتر تھا کمیٹی میں اگر آپ نہ ہوتے

یہ جو ہنگامۂ تزئینِ عیش و کامرانی ہے   تماشا غافلوں کا آج ہے، کل اک کہانی ہے

مدّاحوں کو خوش ہو کے تُو کیا دیکھ رہا ہے   جو حالت اصلی ہے، خدا دیکھ رہا ہے

بانیٔ طرزِ نو کے طریقوں کے متبع   خلق ان کو نہ چھوڑیں گے اولاد کے لیے
البتہ ان بناؤں سے جن کے لیے ہے سعی   کچھ جال چھوڑ جائیں گے صیّاد کے لیے

ہم اظہارِ خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے   مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے

خدا کے باب میں منطق کو پھر کیوں یہ تگاپو ہے   جہاں عشوے ہیں فطرت کے فقط اور عام ہو ہے

گردوں کا نہ کر شکوہ، اچھی نہیں خود غرضی　　ہر حال میں پڑھ الحمد اللہ کی جو مرضی
اکبر نے کہا، واپس لیتا ہوں میں ہر خواہش　　الحمد رہے قائم، منظور ہو یہ عرضی

زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے　　وقت کے ساتھ ہی ہم بھی ہیں گزرتے جاتے

ہم میں وہ [illegible] و نکوئی نہ رہی　　پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
تعلیم حب[illegible] سے ہوا کیا حاصل　　ہاں کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں، یہ قوم بے کس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے، نہ مغربی ہے، عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

شکلیں جو بن گئی ہیں، یہ ذرّوں کا میل ہے　　جھگڑے جو ہو رہے ہیں، یہ فطرت کا کھیل ہے
اس روشنی میں خاک ہو نشو و نمائے شیخ　　زیتون کا نہیں ہے، یہ مٹی کا تیل ہے

موجودہ ترقی سے خوشی کیوں نہ ہو پیدا　　اُمید کے انجن کا بھپارا بھی بہت ہے
خوش ہیں قلمی وعدوں پہ جو ڈوب رہے ہیں　　ان کے لیے تنکے کا سہارا بھی بہت ہے

میں بہت اچھا ہوں، جی ہاں، قدر دانی آپ کی　　غیر پر پھر کیوں ہے اتنی مہربانی آپ کی

او کھیاں میں نے سنائی تھیں حریفوں کو فقط　　شیخ کیوں کود پڑے، ان کو خجالت کیا تھی
شیخ بولے کہ میاں یہ تو بتاؤ ہم سے　　تم کو اس دیس میں پشتو کی ضرورت کیا تھی

مری سمجھ سے ہے باہر محیطِ بے مرکز　　ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی
تمام قوم اڈیٹر بنی ہے یا لیڈر　　سبب یہ ہے کہ کوئی اور دل لگی نہ رہی

چھائی جاتی ہے مرے دل پہ اداسی کیسی　　ہم نشیں ہے یہ بڑی بات، ذرا سی کیسی
کیا ملے دادِ سخن تنگ نشینوں سے مجھے　　وہ سمجھتے ہی نہیں، قدر شناسی کیسی

قرآں کو زباں سے دل میں اتاریے　　علمی نمود چھوڑ، عمل کو سنواریے
چشم و زباں میں کیجیے پیدا اثر جناب　　بعد اس کے بندگانِ خدا کو پکاریے

انگریز خوش ہے، مالکِ ایروپلین ہے　　ہندو مگن ہے، اُس کا بڑا لین دین ہے
بس اک ہمیں ہیں ڈھول میں پول اور خدا کا نام　　بسکٹ کا صرف چور ہے لنڈ کا چھین ہے

حامیِ صبر و طاعت حیران و منفعل ہیں　　طامع غافلوں کی مضبوط پارٹی ہے
رحمان کے فرشتے گو ہیں بہت مقدّس　　شیطان ہی کی جانب لیکن مجارٹی[8] ہے

ضرورت کچھ نہ تھی اس کی کہ آپس میں بھی بٹ جاتے　　سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے[7]
حیاتِ مذہبی سے بھاگنا تھا کھیل گڑیوں کا　　کہاں کی قوم، ہاں کچھ بن گئے ہیں نازنیں گڈے

بعد مُردن کچھ نہیں، یہ فلسفہ مردود ہے　　قوم ہی کو دیکھیے، مُردہ ہے اور موجود ہے
شیخ کالج چاہیے دیں دار اور صاحب اثر　　ورنہ کیسا ہی ہو عمدہ کورس، وہ بے سود ہے

مجھ سے ہے عذر، غیر کو کونسل کا ووٹ ہے　　واللہ اس ستم کی مرے دل پہ چوٹ ہے
ترکیبِ صلحِ کل نہ نبھی، دل پہ چوٹ ہے　　سب سے بچے تو بیچیے کونسل کا ووٹ ہے

لفظِ قومی پہ بلا مرکز اکڑنا چاہیے　　اس کے یہ معنی ہوئے آپس میں لڑنا چاہیے

ٹے ٹانک[1] ٹکڑے ہوا ٹکرا کے آئس برگ[2] سے　　دب گیا سائنس بھی آخر پیامِ مرگ سے

وہ دلی احباب، وہ مسجد کے ساتھی اب کہاں　　دشمنوں کے دشمنوں سے گپ اڑایا کیجیے
ٹھیکہ داروں نے کیا نیلام قومی روح کو　　چھاؤنی میں اب فقط روٹی کمایا کیجیے
مر رہا ہوں، مجھ کو بدخواہی کی قوت ہی نہیں　　خیرخواہی آپ ہی ہر دم جتایا کیجیے
عیش کا بھی شوق، دینداری کی شہرت کا بھی شوق　　آپ میوزک ہال[3] میں قرآن گایا کیجیے

گناہوں سے نہ باز آئے گی اور بستی سے جائے گی　　جہنم سے سوا، طاعون سے یہ قوم ڈرتی ہے

لندن سے دلی آئے ہیں دس یوم کے لیے　　یہ زحمتیں اٹھائیں فقط قوم کے لیے

دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست　　گرجا میں سر جھکا ہے، دسمبر ہو یا اگست
رکتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم　　اے مدعیِ دینِ خدا، شرم شرم شرم
بابو گریجویٹ ہیں کالج کے ساتھ ہیں　　اک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں
بڑھتا رہا جو طاعت و مسجد سے یوں ہی بیر　　کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہوں گے جزو غیر
کہتے ہو تم جو وی[4] تو انہیں آتی ہے ہنسی　　یعنی زبانِ شوق غلط لفظ میں پھنسی
وی کا پتا کہاں ہے، وہ کہتے ہیں، کون ہیں　　مرکز سے ہیں جدا، نہ سوا ہیں، نہ یون ہیں
آنر کے ساتھ نام گرامی بھی لکھ گیا　　لیکن ادھر سے خطِ غلامی بھی لکھ گیا
موقع کا ہے خیال نہ اب کانشنس[5] کا ہے　　ارشاد ہو غلط بھی تو اس کا ڈفنس[6] ہے
ارشادِ لاجواب تو قرآن ہی کا ہے　　قانونِ بے مثال تو رحمان ہی کا ہے
وقعت تمہاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں　　کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں
نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے، نہ دین ہے　　یہ پانیر پڑی کی فقط اک مشین ہے
اک دل لگی ہے، کانگرس ہو یا کہ لیگ ہو　　ذاتی ہے اک نمود جو کوئی [illegible] ہو
طاعت سے نیکیاں ہیں تو نیکی سے عزتیں　　شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں
وقعت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر　　ممکن نہیں ہے پائیے پھل جڑ کو توڑ کر
اک برگِ گل کہے گا کہ ہم گل کے جزو ہیں　　تم خود کو کیا کہو گے کہ ہم کل کے جزو ہیں
لازم بھی، ملی ہو اگر اُس کی رگ سے رگ　　بے کار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ

---

۱ TITANIC　　۲ ICE BERG، تودۂ برف
۳ MUSIC HALL　　۴ WE، ہم
۵ CONSCIENCE، ضمیر　　۶ DEFENCE
۷ GOOD DAY اور GOOD NIGHT　　۸ اکثریت، MAJORITY

پھل پھولوں پتیوں پہ ہے تیری نظر نثار
جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جس سے ہے سب بہار

گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے
کانٹوں میں اب پھنسو کہ ٹن چاپ بن گئے

نازوں کا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں
پر بالا رادہ دین سے کچھ دوریاں بھی ہیں

شگفت اسی کی مجھ کو ہے، ہر آن، ہر نفس
لاکھوں کی سدِّ راہ ہے دس بیس کی ہوس

گو اپنے ساتھ آپ کو اُبترا نہ لے گیا
اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں فقط یہ تقاضائے میوز[1] ہے
یاروں سے التجا ہے پلیز ایکسکیوز[2] ہے

ضمیمہ متفرقات

اُسے اکبر ہمارے دل کا تڑپانا نہیں آتا
کہ جس کو علم تو آتا ہے، شرمانا نہیں آتا

رنگ ہی کچھ اور اب تو روز و شب کا ہو گیا
جس طرف دیکھو، دگرگوں حال سب کا ہو گیا

اس تغیر سے مگر اس کو نہیں پہونچا ضرر
انقلاب آیا بھی اکبر پر تو رب کا ہو گیا

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا
مصیبت جھیلنا اور ہادیٔ راہِ خدا بننا

مشینوں[3] سے لپٹ کر اس قدر البتہ ممکن ہے
بہ باطن خود گھسٹنا اور بہ ظاہر رہنما بننا

جب ایسی قوم ہے تو پیشوا بھی اُس کے ایسے ہیں
مثل سچ ہے کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے ہیں

جو حکم وَاعْتَصِمُوْ ہم کو ہے بِحَبْلِ اللّٰہ
بتائیے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں

ادب میں دین کے اور مسجدوں کی صف میں ہے
کہ لیگ میں ہے وہ اور پانیر کے کالم میں

اسبابِ طرب یہاں وہاں سے لائیں
ہر طرح کا فرنیچر دکاں سے لائیں

قائم نہ رہے ادب تو کیا اس کا علاج
انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

بگڑ جائے گی میری اُس بت کی اک دن
اِلٰی اَصْلِہٖ یَرْجِعُ کُلُّ شَیْءٍ[4]

بدن میں روح آجاتی ہے جب بے گوری رنگت کے
تو بے انگلش پڑھے روزی بھی مل سکتی ہے نیٹو[5] کو

بلینک ورس یعنی بلا قافیہ

اجسام کے فنون کا کرتے ہیں خود عمل
اجرام کے علوم کا دیتے ہیں ہم کو درس

ہوتا ہوں معترض تو وہ کہتے ہیں واہ واہ
میں نے تو کر دیا ترا رتبہ بلند تر

از صحنِ خانہ تا بلبِ بام از آنِ من
وا ز بامِ جانانہ تا بہ ثریا از آنِ تو

خود فنِ حرب سیکھ رہے ہیں پریڈ پہ
میرے لیے چمن میں شٹل کاک کا ہے کھیل

اظہارِ ناخوشی پہ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھ
تیرا ہی مشغلہ ہے بہت صاف بے ضرر

آں اشترِ ضعیف و لکد زن از آنِ من
واں گربۂ مصاحبِ بابا از آنِ تو

ضمیمہ غزل

عبث بالکل ہے، حالِ دل کسی سے آج کل کہنا
بہت جوشِ طبیعت ہو تو جا کر بے غزل کہنا

فقط تعمیرِ کالج پر سخن چھوڑوں، یہ نہیں ممکن
مبارک آپ ہی لوگوں کو ہر پتی کو پھل کہنا

طامع کو گدا پایا، قانع کو غنی دیکھا
اوروں کی نہیں کہتے، ہم نے تو یہی دیکھا

عُقدے بھی کھلے تجھ سے، منظر بھی نظر آئے
آنکھیں بھی کبھی کھولیں، دل کو بھی کبھی دیکھا

سازِ قومی پہ جو ظاہر اُن کا ایما ہو گیا
جو مخالف تھا، وہ اپنی سُر میں دھیما ہو گیا

پیش تو میں نے بھی دل کو کر دیا بہرِ کباب
تھا عدو چالاک تر، بالکل ہی قیما ہو گیا

ہے تلون میں مرا آئینہ ہمدم رنگِ چرخ
مہر طلعت دن کو شب کو ماہ سیما ہو گیا

عشقِ قومی میں بھی خطرہ ہے ہلاکت کا مجھے
لیڈروں کے مشورے سے جان بیما ہو گیا

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں، دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا

ناوک فگنی سے ظالم کی، جنگل میں ہے اک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحاں ہو گئے چپ، آہو نے اُچھلنا چھوڑ دیا

کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے، کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا، یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا

بدلی وہ ہوا، گذرا وہ سماں، وہ راہ نہیں، وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا، گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا، شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں، ہر موڑ پہ اک لیسنس[6] طلب
اُس پارک میں آخر اے اکبر، میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہ جواں، جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے، خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساعد جب نہ رہا، رکھے یہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا، چشموں نے اُبلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی، آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی، سرسبز شجر اُمید کا تھا
جب سرسرِ عصیاں چلنے لگی، اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اس حورِ لقا کو گھر لائے، ہو تم کو مبارک اے اکبر
لیکن یہ قیامت کی تم نے، گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

جوابِ شیخ میں یہ بھی نہیں کہا جاتا
کہ وعظ ٹھیک ہے، لیکن نہیں رہا جاتا

---

۱ MUSE

۲ PLEASE EXCUSE

۳ سکیں

۴ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

۵ NATIVE، ملکی باشندہ

۶ LICENCE

عشق نے دین کو کھویا، جو ہوتے ہم قانع — کبھی نہ ہاتھ سے یہ دُرِّ بے بہا جاتا
اُمیدِ وصل جو ہوتی نہ جاں فزا اکبرؔ — بھلا یہ صدمۂ فرقت کبھی سہا جاتا
میں پوچھوں کیوں، مرے مرنے پہ لوگ کہتے تھے کیا — یہ کیا یقین کہ ہے کچھ نہ کچھ کہا جاتا

ترا دل تو ہمیشہ امرِ خاطر خواہ چاہے گا — مگر ہوگا وہی اکبرؔ کہ جو اللہ چاہے گا
غزل سُننی ہو اکبرؔ کی تو اس کو عذر ہی کیا ہے — مگر ہر شعر پر وہ انجمن میں واہ چاہے گا

کیسے وعدے تھے یہ اُس دن کے سرِ راہ جناب — آپ سے پھر نہ ملاقات ہوئی، واہ جناب
میرے اشعار پہ کہتے ہیں بہت، واہ جناب — نہیں کرتے مگر افزائشِ تنخواہ جناب
ابھی سو تک نہیں پہنچی مری تنخواہ جناب — آپ مجھ کو نہ کہا کیجیے للہ، جناب
ووٹ بازی کے سوا رکھا ہی کیا ہے اس میں — ممبری کے لیے کرتے ہیں عبث آہ جناب
بنتے جاتے ہیں غبارا وہ نئی روشنی کے — ہو ہی جائیں گے ثریا حشم و جاہ جناب

سامنا اک نگہِ ناز کا ہے، جان کی خیر — مہرباں اک بُتِ عیار ہے، ایمان کی خیر
یہ تو زینت ہے کہ پہنے ہیں جڑاؤ بالے — یہ قیامت ہے کہ اللہ مرے کان کی خیر
گوشۂ دامنِ لیلیٰ بھی ہے تر اشکوں سے — ہم یہی کہتے تھے، مجنوں کے گریبان کی خیر
شوق کی آتی یہی دل میں کہ پہنچوں اُن تک — یا مری خیر نہیں، یا نہیں دربان کی خیر
ناز سے وہ بھی اٹھاتی تھی جو اپنا سیلیٰ — زیرِ لب کہتی تھی مجنوں کے گریبان کی خیر
آپ کے ناوکِ غمزہ کی توجہ ہو جدھر — موت ہے دل کی، منائے جو کوئی جان کی خیر
اب سبھی وہ زناّر اُٹھا جاتا ہے — خیر ہندو کی نہ اب ہے، نہ مسلمان کی خیر
تُرکِ شیراز سے خوشتر ہیں بُتانِ مغرب — ظاہرا اب نظر آتی نہیں ایران کی خیر
دل لگی دین کی باتوں میں نہیں عیاذاً باللہ — شیخ لاحول پڑھیں، تم کو شیطان کی خیر
اُس نے میدان میں سر دے کے کیا قوم کا نام — آپ بنگلے میں منایا ہی کیے، جان کی خیر
پارٹی کچھ بھی نہیں جب نہ ہو ذوقِ طاعت — قوم کی خیر نہیں جب نہیں ایمان کی خیر
اس مسِ برقِ کلیسا کا ہے لکچر اکبرؔ — آج تو علم بھی مانگے گا مسلمان کی خیر

مزا آتا ہے گردوں کو مجھے بے چین رکھنے میں — مصائب جان دیتے ہیں مرے حسنِ کفایت پر
جمالِ لم یزل کی معرفت کیونکر میسر ہو — کہ حس غالب ہے فانی انقلابوں کا طبیعت پر
یہ غیرت دیکھیے، ضبطِ فغاں ہے اس لیے مجھ کو — کہیں نازاں نہ ہو تکلیف میری اپنی شدت پر

کس طرح پڑے میں رہے اے شیخ عورت اک طرف — سارے خیالات اک طرف ملکی ضرورت اک طرف
مشرق کے واعظ اک طرف، مغرب کی زینت اک طرف — عقلی دلیلیں اک طرف اور دل کی رغبت اک طرف
افسردہ دل کے ورق ہیں کس قیامت کے سبق — گُل تو چٹانہ اک طرف، بابو کی جرأت اک طرف
اکبرؔ درِ بُت خانہ پر ایسا جما ٹلتا نہیں — ساری خدائی اک طرف اُس بُت کی صورت اک طرف
ذکرِ خدا، یادِ اجل کافی ہیں اس کے واسطے — میدانِ آنا اک طرف، اکبرؔ کی ہمت اک طرف

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں — مگر یہ حس نہیں ہے، ڈوبتے ہیں یا اُبھرتے ہیں
مرا یہ شعر اکبرؔ ایک دفتر ہے معانی کا — کوئی سمجھے نہ سمجھے، ہم تو سب کچھ کہہ گذرتے ہیں

معنی کا حسن نہیں، تو ترے دل میں کچھ نہیں — لیلیٰ اگر نہیں ہے تو محمل میں کچھ نہیں
کارِ جہاں کو دیکھ لیا میں نے غور سے — اک دل لگی ہے سعی میں، اور حاصل میں کچھ نہیں
اے آفتاب، خضرِ رہِ معرفت ہے تو — اتنے ستارے اور تری محفل میں کچھ نہیں
لیتے ہیں لوگ اپنی دلی بات کے مزے — میرا مزا یہ ہے کہ مرے دل میں کچھ نہیں
ان کی سُنو، خدا نے کہا جن سے صاف صاف — اوہام کے فسانۂ باطل میں کچھ نہیں
افسانۂ حسنِ گُل کا بڑی چیز ہے حضور — کہتے ہیں آپ، شورِ عنادل میں کچھ نہیں
اسپیچ مذہبی میں بھی یکتا ہیں شیخ کپ — لیکن یہ سب زبان پہ ہے، دل میں کچھ نہیں
حلوا کھلایا شیخ نے اور وعظ بھی کہا — حلوہ تو پیٹ میں ہے مگر دل میں کچھ نہیں
دلکش بہت ہے افعیِ گیسوئے اختلاف — کونسل سے کیوں کہوں کہ ترے بل میں کچھ نہیں

مٹاتے ہیں جو وہ ہم کو، تو اپنا کام کرتے ہیں — مجھے حیرت تو اُن پر ہے جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

جس طرف اُٹھ گئی ہیں، آہیں ہیں — چشمِ بد دُور، کیا نگاہیں ہیں
ذرّہ ذرّہ ہے خضرِ شوق تو ہو — چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں

لطف چاہو، اک بُتِ نوخیز کو راضی کرو — نوکری چاہو، کسی انگریز کو راضی کرو
لیڈری چاہو تو لفظِ قوم ہے مہماں نواز — گپ نویسوں کو اور اہلِ میز کو راضی کرو
طاعت و امن و سکوں کا دل کو لیکن ہو جو شوق — صبر پر طبعِ ہوس انگیز کو راضی کرو
نق نق و بق بق میں دنیا کے نہ ہو اکبرؔ شریک — چپ ہی رہنے پر زبانِ تیز کو راضی کرو

اتنی رغبت دل کی جب مے کی طرف ہے پی ہی لو — مدرسہ مانع نہیں، مسجد کا نوٹس ہی نہ لو
دم نکل جانے کا اندیشہ تو ہے مجھ کو مگر — نزع میں تم ہو تو میں کیونکر کہوں، ہچکی نہ لو
بوسہ و سنبوسہ ارزاں بک رہے ہیں دیر میں — ہے کوئی جس سے کہوں یہ بھی نہ لو، وہ بھی نہ لو

دل ترا ہو کہ نہ ہو، ہوشِ زُبار از کے ساتھ — حضرتِ مرد تو ازل سے ہے اسی ساز کے ساتھ
کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر — آرزو وہ ہے جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ
گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دنیا کے طریق — ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدہ پرداز کے ساتھ
ہاں عطا کی ہے جنھیں چشمِ بصیرت حق نے — اُن کے کان اب بھی ہیں قرآن کی آواز کے ساتھ
اس گلستاں میں نہیں کوئی ہوا خواہ مرا — سب کی سازش ہے اسی نرگسِ غماز کے ساتھ
پر شکستہ ہوں قفس میں، نہ رہا ذوقِ چمن — ولولے دل کے گئے قوتِ پرواز کے ساتھ
دلِ رنگیں کے اُبھرنے میں تصنع کیسا — فصلِ گُل آتی ہے سامانِ خدا ساز کے ساتھ
سعی پر اپنی بہت فخر نہ کر لے اکبرؔ — طے منزل بھی ہے مشروط تگ و تاز کے ساتھ
نیچری سے کوئی الحاد کی پوچھے ترکیب — دین چھوڑا ہے تو کس ٹھاٹھ، اکس اعزاز کے ساتھ
پارٹی بندی میں ہوتا ہے یہی اے اکبرؔ — کیا تعجب ہے نظر آئیں جو گدھ باز کے ساتھ

خدا کے کام دیکھو، بعد کیا ہے اور کیا پہلے — نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے
نہ رکھے گا خدا ہے گا نہ مجھ کو نورِ باطن سے — مگر لازم ہے، پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے
تری تعلیم جو کچھ ہو، ہمارا تو سبق یہ ہے — یہ سب فانی، خدا باقی، خودی پیچھے، خدا پہلے

غیر کی حسرت نکلنے دیجیے   خیر میرے دل کو جلنے دیجیے
پارک میں کیا جاؤں بے وقتِ نماز   بابو صاحب کو ٹہلنے دیجیے

طفلِ دل کو اُلفتِ زلفِ بُتاں اک کھیل ہے   خیر ہو ایماں کی یا رب کافروں سے میل ہے
مغربی چکر میں تفریحیں بھی ہیں دنیا کے ساتھ   امتیاز اس کا ہے مشکل، پارک ہے یا جیل ہے
برکتیں ساکت، سعادت دم بخود، مذہب خموش   دل دعا سے بے خبر، تدبیر ہی سے میل ہے
کہتے ہیں راہِ ترقی میں ہمارے نوجواں   خضر کی حاجت نہیں ہم کو، جہاں تک ریل ہے

وضع بدلی، گھر کو چھوڑا، کاغذوں میں چھپ گئے   چند روزہ کھیل تھا، آخر کو سب مر کھپ گئے
مٹ گئے نقش و نگارِ دیرِ فانی کے مُرید   نام انہیں کا رہ گیا روشن، جو ہر کو جپ گئے
دل کا ٹکڑا تو رہا باقی سپے راہِ خُدا   ریل میں کیا غم جو اکبر کھیت تیرے کٹ گئے

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حس ہی نہیں باقی   جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے
حدیثِ آرزوئے قربِ باری پر نظر کس کی   خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے
ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں   نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے
معاذ اللہ غفلت باریاں یہ ابرِ مغرب کی   کوئی آلودۂ آز، کوئی صرفِ جوانی ہے
مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی میں   جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

آفتِ جاں ہے تجلیٔ آتشِ رُخسار کی   خیر ہو یا رب نگاہِ شوقِ سہل انگار کی
مست کر دیتی ہے مجھ کو فصلِ گُل میں بوئے گُل   وجد میں لاتی ہے حالت سبزۂ اشجار کی
بھینی بھینی ہائے وہ نارنج کے پھولوں کی بُو   جس پہ سو جانیں فدا ہوں طبلۂ عطار کی
قطرہ ہائے شبنمِ پاکیزہ پتوں پر نہیں   سبز پریوں پر چمک ہے موتیوں کے ہار کی
ہر شگوفے پر تڑپ جاتی ہے طبعِ حُسن دوست   پتی پتی پر نگاہیں ڈالتا ہوں پیار کی
ناچتا ہوں صحنِ گلشن میں ہوا کے ساتھ ساتھ   ہم نوائی چاہتا ہوں بُلبلِ گلزار کی
مجھ کو دیوانہ بنا دیتا ہے فطرت کا جمال   عارضِ گُل سے خبر ملتی ہے رُوئے یار کی
سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو   حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی
نکہتِ گُل ہائے شاخِ گُل میں یہ مستی کہاں   اور ہی خوشبو ہے کچھ تیرے گلے کے ہار کی

متعلق امورِ خاص

ڈاکٹر مینارڈ ہیں اپنے ہنر میں لاجواب   ہاتھ اُن کا برق ہے نشتر شعاعِ ماہتاب
ہفت[1] سالہ تھا مرض، دم بھر میں زائل ہو گیا   آنکھ روشن ہو گئی، جاتا رہا سارا حجاب
پانچ ہی دن میں نہ پٹی تھی، نہ بستر کی وہ قید   حُسن کلکتہ تھا اور میری نگاہِ انتخاب
ڈاکٹر مینارڈ کو اللہ رکھے شاد کام   اور رہے خلقِ خدا اُن کے ہنر سے فیضیاب

مدرسۂ الٰہیات خوب ہے کان پور میں   قوم کی سچ جو پوچھیے خدمتِ واقعی یہ ہے

حمدِ خدا کے غلغلے ہوں گے بلند اب یہاں   اس میں ذرا بھی شک نہیں، دین کی بہتری یہ ہے
حضرتِ رعد کا یہاں جوش و خروش دیکھ کر   سب نے کہا یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ یہ ہے

عنبر فشاں ہوا ہے معطر مکان ہے   کیوڑے کا یہ عرق، نہیں کیوڑے کی جان ہے
کیوڑہ بنے گا پندرہ قطروں سے اک گلاس   اس کی یہی ہے جانچ، یہی امتحان ہے

صنعتِ صانع کو دیکھو اس روغنِ بادام میں   یاسمن کی روح پھونکی ہے تنِ بادام میں

تاریخ وفات والدہ سید عشرت حسین، ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۰ء ماہ عید ۱۳۲۹ھ

مر راحت رسان و محرم اسرار ما بودی   ہمیں تاریخ فوتت گفتہ ام، غم خوار ما بودی

۱۹۱۰ء

مادہ تاریخ ولادت سید ہاشم

تیغ فاتح   ظہور بدر

۱۸۹۹ء   ۱۳۱۶ء

مادہ تاریخ ولادت سید عقیل سلمہٗ ابن سید عشرت حسین سلمہٗ

محمد عقیل ابن عشرت

۲۵ ۱۳ ء

تاریخ وفات جناب سید تفصیل حسین صاحب پدرِ حضرت اکبر

چو شد واصلِ ذاتِ رب، ذاتِ او   بجو سالِ تاریخش از، ذاتِ رب

۱۳۰۳ھ

تاریخ وفات جناب سید ہادی علی صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ الٰہ آباد

ان کے مرنے کا نہ کیوں ہو سب کو غم   سچ تو یہ ہے، لاکھوں ہی میں ایک تھے
سنیے الہامی یہ تاریخ وفات   میر ہادی صُلح جو تھے، نیک تھے

۱۳۱۷ھ

ایضاً متفرق مصرعے

پاکیزہ سرشت صاحب رائے   میر ہادی از جہاں مردانہ رفت

شُد اہلِ بہشت میر ہادی

قطعات و مثنویات

مُسلّم[1] ہے جب سب کو اِلَّا قلیلاً   تو ہر علم ہے ذہنِ انساں میں ڈھیلا
مگر مست کر جاتا ہے، ہو کے پیدا   اسی فیضِ فطرت سے کوئی رسیلا
مذاہب کی مستی، حریفوں کی شوخی   رہے گی رچی یوں ہی، دنیا کی سیلا

---

[1] حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ نظم حسب فرمائش جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے لکھی اس کا ترجمہ انگریزی ہوا اور ڈاکٹر صاحب کے یہاں فریم میں لگا ہوا ہے۔ نواب سید محمد خاں صاحب انسپکٹر جنرل جیل[ل] بنگال کے ذریعے سے مراسلت ہوئی ۲،۳ دسمبر ۱۵/۱۹۰۹ء کو آپریشن ہوا تھا)

[1] یہ اشعار حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے حسب فرمائش شیخ محمد حسین صاحب سکندر پوری ضلع بلیا مصالحہ دار نظامتہ اعمالیہ مرشد آباد مدرد دکان کنگراپٹی کلکتہ نمبر ۳ موجد بادامی روغن شاہی کیوڑہ وغیرہ کے کیوڑے کی تعریف میں موزوں فرمائے۔

اَلَا یَا اَیُّہَا السَّاقی بدہ ووٹے بمحفلہا   کہ بیشٹ آسٹ مرد اول، و لے افتاد مشکلہا
رفیقاں سُست، طاقت سلب، دولت صرف، دل بے حس   چرا اُفتی پئے نامے دریں گرداب مشکلہا
رہ پیچیدۂ سسٹم حکومت بر تو نکشاید   مگر چوں مار کاؤنسل حلقہ زن باشی دریں بلہا
عبث اے بے ہنر قرب مشین مغربی خواہی   کہ جز دودے ترا حاصل نمی گردد ازیں ملہا
حکومت پارلیمنٹی نباشد اندریں کشور   وے نیٹو بجنگ آید ہم از بہر کونسلہا
ہوس در سینہ می جوشد کہ جاں رہ اندریں منزل   خرد در گوشش می گوید کہ بر بندید محملہا
ز حرص ممبری نقصاں پذیرد قوت ملت   بجائے قوم، آز دخل یابد بر در دلہا
چو ذوق خدمت ملک است، حاجت نیست با کونسل   بجز تحریر در اخبار و نطقے در محفلہا
اگر جوش مضامیں ہست در طبع بلیغ تو   بگو افسانہائے درد دل در شکل ناولہا
نمی گویم کہ موج شوق عزت ہست بے معنی   ہمی گوید نگہ دارید کشتی ہا و ساحلہا
برآر از دل سیکے دست دعا در حضرت باری   کہ تا بخشد دولت را امتیاز حق و باطل ہا
اگر حاکم کند ایما، طلب کن ووٹ ز خوش بینش   کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا
بوئے شہرتے کاخر گزٹ زاں طرہ بکشاید   حریفاں مضطرب گردند و شور افتد بمحفلہا
چو در کونسل رسی، با صد ادب مشغول خدمت شو   مَتیٰ مَا تَلْقَ مَنْ تَہْوَی دَعِ الدُّنْیَا وَاَہْمِلْہَا

بے سبب زیں لابریشی ہا مرا اکراہ نیست   ہر کتابے را کہ بکشادیم، بسم اللہ نیست
کورس را ہر سال تغیر است و باہم اختلاف   اتحاد معنوی را سوئے دل ہا راہ نیست
از مذاق مشرقی، ہر طبع را بیگانگی   چیزے از مغرب بدل ہا ہست، خاطر خواہ نیست
صف نشیناں چشم یاری می کنند از ہم دریغ   کودکے کاں را دریغ عقل جنون جاہ نیست
گشتہ ام مایوس ازیں انداز آغاز شما   لا الٰہیت نمایاں ہست و الا اللہ نیست
صورت مذہب کہ می سازند تحسیں می کنیم   معنی دیں را کہ می سازند خلق آگاہ نیست

برائے رسالہ زمانہ

جو ایڈورڈ[1] نے چھوڑا شاہی کا چارج   ہوئے جلوہ آرا شہنشاہ جارج
خوشی ان کی ہے اور اُن کا الم   دو دل ہو رہی ہے زبان قلم
قصیدہ کہے یا کہ نوحہ لکھے   کدھر رخ کرے، کیا کہے، کیا لکھے
لحد بھی ہے اور مسند جاہ بھی   مبارک سلامت بھی ہے، آہ بھی
بڑے شور ایوان دولت میں ہیں   وہ تربت میں ہیں اور یہ حیرت میں ہیں
شہنشاہ مرحوم تھے صلح جو   نئے ایمپرر[2] ہیں بہت نیک خو
وفا و ادب سے ہے یاں رابطہ   ہماری دعا ہے یہ با ضابطہ
خدا اُن سے خوش ہو انہیں دے فروغ   بڑھیں نیک اور سدا رہیں بے دروغ
رہے تخت برطانیہ برقرار   رہے ہند کو ان سے اطاعت شعار
وہ سنبھلیں، جو ہے پیچ غفلت میں مست   یہاں تو ہے پہلے ہی سے دل شکست
بگڑتا ہے دنیا میں جو گھر بنا   مسلسل ہے رفتار موج فنا
خوشی کی بھی لیکن ہے پیہم نمود   بلا ہے تو نعمت کا بھی ہے ورود
بیان است آئین چرخ کہن   چہ خوش گفت سعدی شیریں سخن

[1] کتب خانہ   [2] شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم ۱۲
[3] EMPEROR

سبے را چو پایاں رسد دور عہد   جواں دولتے سر بر آرد ز مہد

فرض عورت پہ نہیں ہے چار دیواری کی قید   ہو اگر ضبط نظر کی اور خودداری کی قید
ہاں مگر خودداری و ضبط نظر آساں نہیں   منہ سے کہنا سہل ہے، کرنا مگر آساں نہیں
تم میں وہ ضبط نظر، اُن میں وہ خودداری کہاں   رُعب قومی، شکل فاتح، ملک پر طاری کہاں
اب رہی تعلیم، کون اس امر کا مفتوں نہیں   بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں
یہ تو ظاہر ہے حریف شوخ کیوں رکنے لگا   شوق سے لیکن خرابی پر میں کیوں جھکنے لگا

چل بسے وہ جنہیں معتقد ور تھا خودداری کا   نہ وہ تقویٰ، نہ وہ تعلیم، نہ وہ دل کی اُمید
ولولے سے کے نکلنے لگے کالج کے جواں   شرم مشرق کے عدو، شیوۂ مغرب کے شہید
نئے انداز عبادت ہیں، نئی صورت عیش   رمضاں ساعت کرکٹ ہے، تھیٹر میں ہے عید
نئی تہذیب، نئی راہ، نیا رنگ جہاں   دور گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب   زہرہ ممبر ہوئیں، دو ڑھے تھے جناب خورشید
دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب   کچھ مناسب نہیں اس وقت میں ایسی تمہید
شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار   کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید
نعرے تکبیر کے اس پہ ہوئے یاروں میں بلند   لڑکیاں بول اٹھیں خود بہ طریق تائید
جب حکومت نہیں باقی تو یہ عشوے کیسے   کون کونے میں کرے بیٹھ کے مٹی کو پلید
تم نے شلوار کو پتلون سے بدلا اے شیخ   پھر مرے واسطے محرم رہے کیوں حبل ورید[1]
خود تو گٹ پٹ کے لیے جان دیے دیتے ہو   ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید
لال جب خود ہی کنسٹری کا ہوا ہے بندہ   تو یہ مینا[2] ہے کیوں گوشۂ عزلت میں شہید
دُودھا بھائی کی ہے یہ رائے نہایت عمدہ   ساتھ تعلیم کے، تفریح کی حاجت ہے شدید
در نظارہ مقفل رہے کب تک ہم پر   کیوں نہ غنچوں کے لیے باد صبا کی ہو کلید
اکبر افسردہ شد از گرمی ایں طرز سخن   شیخ بگریخت و در صومعۂ خویش خزید
کھل گئے در، نہ رہا شاہد مشرق میں حجاب   غل مچا ہُرّے کا، بول اُٹھے یہ مغرب کے مرید
للہ الحمد، ہر آں چیز کہ خاطر می خواست   آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

دربار ۱۹۱۱ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار   حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماع انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مزین اور مشین   پھول اور سبزہ، چمک اور روشنی، ریل اور تار
کیروسین اور برق اور پٹرولیم اور تارپین   موٹر اور ایروپلین اور جگمگے اور اقتدار
مشرقی پتلوں میں تھی خدمت گزاری کی اُمنگ   مغربی شکلوں سے شان خود پسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضور امپرر   زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی تبار
بحر ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں   ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہم کنار
انقلاب دہر کے رنگین نقشے پیش تھے   تھی سپئے اہل بصیرت باغ عبرت میں بہار
ذرے ویرانوں سے اُٹھے تھے تماشا دیکھنے   چشم حیرت بن گئی تھی گردش لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریق انتظام   حکمت آگیں ہر ادائے حاکمان نامدار
جلسے سے باہر نگاہ ناز خاصان ہند   حدت قرنی کے اندر آز بلوں کی قطار

[1] رگ گردن   [2] ایک خوش الحان خوبصورت پردیسی چڑیا ۱۲

خرچ کا ٹوٹل[1] دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا   فکرِ ذاتی میں خیالِ قومِ غائب فی المزار
دعوتیں، انعام، اسپیچیں، قواعدِ فوج، کمپ   عزتیں، خوشیاں، امیدیں، احتیاطیں، اعتبار
پیشِ رُو شاہی تھی، پھر ہز ہائی نس، پھر اہلِ جاہ   بعد اس کے شیخ صاحب اُن کے پیچھے خاکسار

میں نے مرشد سے کیا جاکر یہ اک دن التماس   کارِ دنیا نے بہت مجھ کو کیا ہے اب اداس[2]
جلوۂ دنیا نے مجھ کو کر دیا ہے بے بصر   آخرت پر اب نہیں باقی رہی میری نظر
فلسفہ نے مجھ کو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ[3]   میری چشمِ طبع کو عارض ہے غفلت کیٹرکٹ[4]
میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن[5] کیجیے   ہو سکے تو مذہبی اک آپریشن کیجیے
کی توجہ حضرتِ مرشد نے میرے حال پر   اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر
چشمِ باطن میں دیا نشتر نگاہِ تیز کا   کٹ گیا وہ رنگ محسوساتِ کفر انگیز کا
پھر درِ دل پر مرے تقویٰ کی پٹی باندھ دی   آنکھ پر شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

دربارِ دہلی اک طرف، کونسل مجالس اک طرف   مرزا کا چم خم اک طرف، بدھو کی گھس گھس اک طرف
راجا میں ہندی فربہی، موٹر کی طینت آتشی   مرطوب دربار اک طرف اور حاردیا بس اک طرف
ہر چند دل کے نرم ہیں، تاہم بہت سرگرم ہیں   سردی کا احساس اک طرف اعزاز کا حس اک طرف
یہ رنگ و بو، یہ زینتیں، یہ پُر تکلف صنعتیں   ہر گوشۂ کمپ اک طرف اور سارا پیرس اک طرف
آنکھوں کو تم کھولو ذرا، دیکھو تو یہ پہلو ذرا   تیزی فرنگی اک طرف اور نازِ فارس اک طرف
جمن پہ باغِ دہر ہے، گلشن ہر اک سو شہر ہے   وا گوشِ گل ہے اس طرف، حیرت میں نرگس اک طرف
بھوے ہیں سب کبر و منی ہے شانِ دہلی دیدنی   دل کش دوکانیں اک طرف، بارعب آفس اک طرف
ہر کش کو فکرِ حفظِ جاں، اکبر کا شورِ الاماں   سائنس کا زور اک طرف، حسنِ رُخِ مس اک طرف
جانِ جہاں بانی ہیں، یہ عظمت میں لاثانی ہیں یہ   ہفت آسماں ہیں اک طرف اور جارجِ خامس اک طرف

شاہِ کابل، آں سراجِ ملت و روشن خرد   کرد نہضت از رہِ حکمت بسوئے ہندوستاں
کول کالج را شرف بخشید از اسپیچِ خویش   مرحبائے گفت و دستِ فیضِ اُو شد زرفشاں
مرشدِ کالج بہ وجد آمد ز تحسینش و لے   مدحتِ ایں طائفہ بر قلبِ شیخ آمد گراں
گفت، شہ از عیبِ ایناں چشم پوشی می کند   یا فریبے خوردہ از زریں طباقِ میزباں
مسلک و اعمالِ ایشاں یک دو سالے دیدنیست   کے کند کشفِ حقیقت یک دو ساعت امتحاں
بعد ازیں معنی سخن می گفت با طبعِ ملول   چو بدید ندش کہ در بندِ غم است ایں ناتواں
حاضرے فرمود، قولِ شہ مفید است و نکو   بعد ازیں خندید و گفت ایں مطلعِ حافظ بخواں
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما   چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

یہ پوچھا شیخ سے میں نے کہ کیسے کیا گذرتی ہے   یہ سُن اُنہیں سوز دل ہیں اپنے مقصود نظر ہیں
نہایت یاس و حسرت سے وہ بولے کیا کہوں تم سے   یہ دو مصرعے سُنو جن میں نہاں دفتر کے دفتر ہیں
نئی تعلیم کے مُردے تو زندہ ہیں تماشوں میں   پُرانی وضع کے زندے مگر مُردوں سے بدتر ہیں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں   اک آن میں سو طرف کو مُڑتی دیکھیں
پھولی، خوش رنگ، چست، نازک، پیاری   پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
پھُرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار   تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم   وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قائم
گو تابعِ جوششِ برق پروازی ہیں   دونوں کے خطوطِ طیر متوازی ہیں
کیوں کر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے   اللہ اللہ، کیا ہنرمندی ہے
ان جانوروں میں گرل اسکول[1] کہاں   فطرت کے چمن میں صنعتی پھول کہاں
کس بزم میں ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں   پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں
اس سمت اگر خیالِ انساں بڑھ جائے   دامانِ نظر پہ رنگِ عرفاں چڑھ جائے

نہ مسجد میں نظر آتے، نہ رہتے ہیں محلوں میں   ترقی پا کے بس، مل جاتے ہیں برگڈ کے گلوں میں
یہی پُرسش رہی آزادی و تقلیدِ بیجا کی   تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار جلسوں میں

جوشِ قومی کا تو اظہار ہے سرِ شام و پگاہ   لب پہ الفاظ بہت خوب ہیں، ماشاء اللہ
دیکھتا کچھ نہیں لیکن ریزولیوشن[2] کے سوا   بحث کچھ تم میں نہیں ہے اِوولیوشن[3] کے سوا
نہ وہ مسجد، نہ جماعت، نہ وہ طاعت، نہ دعا   نہ وہ گل ہیں نہ وہ گلشن، نہ وہ سبزہ، نہ ہوا
نہ قناعت، نہ توکل، نہ وہ خودداری ہے   جاہ و شہرت کی تمنا میں گرفتاری ہے
کیا غرض مرکزِ تسبیح و دعا قائم ہو   بس یہ مطلب ہے کہ اک اپنی سبھا قائم ہو

بہت ہی عمدہ ہے اے ہم نشیں برٹش راج   کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں، اصول بھی ہے
جو چاہے کھول دے دروازۂ عدالت کو   کہ تیل پیچ میں ہے، ڈھیل اس کی چُول بھی ہے
نگاہ کرتے ہیں حاکم بہت تعمق سے   تمہاری عرض میں گو کچھ زیادہ طول بھی ہے
خلل نہ شغل میں بڈھوں کے ہے، نہ جھتوں کے   کہ شیخ سند و بھی ہیں اور قدم رسول بھی ہے
عطا ہوئی ہے یہ اسپیکروں کو آزادی   کہ حاکموں میں ہے تال، تو یاں اصول بھی ہے
محلِ صلِ علیٰ ڈاک و تار کی ہے روش   اگرچہ دل میں نہاں عظمتِ رسول بھی ہے
جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبلی کی   جو التماس ہو عمدہ، تو وہ قبول بھی ہے
چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی   کہ آنکھ محو ہے، خاطر اگر ملول بھی ہے
طرح طرح کے بنو ریاس رنگا رنگ   علاوہ روئی کے ریشم بھی اور وُول[4] بھی ہے
اندھیری رات میں جنگل میں ہے رواں انجن   کہ جس کو دیکھ کے حیران چشمِ غول بھی ہے
شگفتہ پارک میں ہر سمت رہروؤں کے لیے   نظر نواز ہے پتی، حسین پھول بھی ہے
جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر   تو حرج کیا ہے جو ساتھ اس کے ڈیم فول[5] بھی ہے

شکوۂ[6] جلوۂ قیصر عیاں ہے   زمیں پر آج اُترا آسماں ہے
کرم فرما ہوا ہے شاہ انگلینڈ   کہ جو شاہنشہِ ہندوستاں ہے
عظیم الشان ہے دربارِ دہلی   سراپا چشم ہر پیر و جواں ہے

---

[1] GIRL SCHOOL
[2] RESOLUTION، قرارداد
[3] EVOLUTION، ارتقا
[4] WOOL، اون
[5] DAMN FOOL
[6] حسب فرمائش سید ہاشم مرحوم

[1] TOTAL، میزان
[2] ۱۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کی آنکھ پر بمقام کلکتہ آپریشن ہوا۔ معاً ایک مضمون ان کے دل میں پیدا ہوا۔ اور اسی وقت یہ اشعار موزوں کر کے لکھوا دیئے۔ یہ نظم پرچہ نظام المشائخ دہلی میں بہت پہلے چھپ چکی
[3] FACT، واقعہ [4] CATARACT، موتیا بند [5] SALVATION، نجات

چمک دکھلا رہا ہے ذرّہ ذرّہ
منور ہر سڑک اور ہر مکاں ہے

یہ کل مہ میں ہے جشنِ شادی
جدھر دیکھو مسرت کا سماں ہے

تعلّق کی نہیں باقی کوئی حد
ہر اک سو صرف نہ صرفِ زباں ہے

نہایت فخر ملکِ ہند کو ہے
کہ اُس کا شاہ، اُس کا میہماں ہے

مکنزی اور بُلومر کا ہے وہ لُطف
کہ ہر طفلِ دبستاں شادماں ہے

اللہ آباد کا یہ ہائی اسکول
انہیں کے دم سے رشکِ گلستاں ہے

خدا اس عہد کو رکھے مسلسل
کہ حاصل نعمتِ امن و اماں ہے

کلکٹر کا بھی ہے دربارِ عالی
یہاں بھی خاطرِ ننکو میاں ہے

جن بزرگوں کی طلب سابق و دیرینہ ہے
اُن کو الطافِ گورنمنٹ کا گنجینہ ہے

جن بزرگوں کو نئی راہ میں ہے سعی کا شوق
قوم سے اُن کو بلا واسطہ لینے کا ہے شوق

دونوں راہوں میں ہے عزت بھی، رکاکت بھی ہے
موقعِ مدح بھی ہے، وجہِ شکایت بھی ہے

مستند دونوں ہیں، ہر چال جو اعزاز کے ساتھ
دونوں رہ سکتے ہیں آسودگی و ناز کے ساتھ

خدمتِ حرص سے ہاں، سوئے رکاکت جو جھکے
غیر ممکن ہے کہ دل خلق کا اُن سے نہ رُکے

نہ اُچھل کود کا حاصل، نہ تملّق کا اثر
بجز اس کے کہ گھسو زر دیں باہم لڑکو

خوب ہے وہ جو قناعت کی طرف سالک ہے
کس مپرسی ہے تو ہو، اس کا خدا مالک ہے

امرِ طاعت ہی ہے اللہ کے پیاروں کے لیے
ماسوا اُس کے جو ہے، شغل ہے یاروں کے لیے

طلبِ رزقِ ضروری سے تو مجبوری ہے
اس کے آگے ہے جو کچھ، اس سے مجھے دُوری ہے

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے مرے وہ آپ چلے آئیں گے

جنگِ ٹرکی اور اٹلی کے متعلق رائیں

کوئی کہتا ہے

دکھائے گی نیا اب رنگ ٹرکی
نہ ہوگی مبتلائے جنگ ٹرکی

وہاں بھی آگئیں مغرب کی لہریں
ہوئی اب ہم کنارِ گنگ ٹرکی

بہت خود رائے تھے سُلطانِ سابق
رہا کرتی تھی ان سے تنگ ٹرکی

ہوئے رُخصت وہاں سے اولڈ فیشن
ترقی اب کرے گی ینگ ٹرکی

بعض یہ کہتے ہیں

بدلی وہ ہوا، وہ بُلبُل و گُل رُخصت
ساقی رُخصت، وہ ساغرِ مُل رُخصت

اب دل میں ہیں دوستانِ ٹرکی شاداں
لو ہو گئے پانیر کے بُجڈل رخصت

لیکن بعض یہ فرماتے ہیں

یلدیز ستردہ و مخالف کنوں نماند
اندیشۂ حریف بحالِ زبوں نماند

آں تیغِ عقل و آں نگہِ پُرفسوں نماند
سودا بہ جوش آمد و آں رنگِ خلل نماند

بلبل رختِ خود بہ بست و بروں از مقام شد
عبدالحمید گفت کہ ٹرکی تمام شد

آں نکہتِ مصر و کابل و جاپان و چیں کجا
آں خوض و التفات پئے کارِ دیں کجا

آں پالسی و آں نگہِ دور بیں کجا
آں حاتمِ حمید کجا، آں نگیں کجا

در دل گداز بیم بجائے اُمید شد
گوئی خلا بماند و خلافت شہید شد

بہت لوگ یہ کہتے ہیں

مجھ پہ ہے تقلید واجب ہند کے دربار کی
رائے میری ہے وہی، جو رائے ہے سرکار کی

کوئی انقلابِ زمانہ کی یوں شکایت کرتا ہے

حالت ایں چیست کہ من پیشِ نظر می بینم
در پسِ کارِ بتاں فتح و ظفر می بینم

در حرم سوزِ دل و خونِ جگر می بینم
چرخ را وضعِ دگر، رنگِ دگر می بینم

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

شاہ و سلطاں سے رعایا کی مروت نہ رہی
پاسِ ملّت نہ رہا، دین کی غیرت نہ رہی

وہ عقیدے نہ رہے اور وہ حکومت نہ رہی
دل کا مرکز نہ رہا، ہاتھ کی طاقت نہ رہی

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

خارِ الحاد کو ہر گُل سے یہ کاوش کیسی
ترکِ ایماں کی دلِ خلق میں خواہش کیسی

کفر سے دعویٔ اسلام کی سازش کیسی
اے فلک کیا یہ ترا رنگ، یہ گردش کیسی

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

اب تو رکھ دی گئی تہ کر کے ادب کی چادر
پہلے قبلہ تھے تو اب صرف ڈیئر[1] ہیں فادر

امرِ تعظیم کو اطفال نے سمجھا بادر[2]
ماؤں کو بیٹے تو ہرگز نہیں جانیں نادر

دُختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
ہیچ اُلفت نہ پسر را بہ پدر می بینم

اور میں کہتا ہوں

کیا بحث ہے ایران سے یا تُرک و عرب سے
اس وقت تجھے قطعِ نظر چاہیے سب سے

یا تخت پہ بیٹھے کوئی، یا تخت سے اُترے
رکھ کام تو دن رات فقط طاعتِ رب سے

تاریخ نے دیکھے ہیں بہت رنگ فلک کے
خورشید نکلتا ہے سدا پردۂ شب سے

ہم کو سنبھالتی ہے ملّت جو لا[3] بناتے
میں کو نباھتی ہے، غیرت جو دل میں لائے

کیا حالِ قوم مجھ سے تو پوچھتا ہے ہمدم
ہم کا پتا نہیں ہے، میں ہیں مگر بہت کم

کُفر اس کو ہے قناعت، محنت کی راہ بھولی
تقریر میں فضولی، کوشش میں بے اصولی

جب پیشوا نے اپنا کعبہ جُدا بنایا
اپنے مزے کو سب نے، اپنا خدا بنایا

اپنی ہی یہ خطا ہے، ہم نے تو خوب جانچا
لڑکے ڈھلے ہیں ویسے، جیسا بنا تھا سانچا

شر جس سے پھیلتا ہے، یادش بخیر بھی ہے
اپنا ہی کیا کہ ہنستا اب ہم پہ غیر بھی ہے

جھوٹی نگاوٹوں سے ہرگز نہیں ہے سیری
حرص و طمع نے کھو دی اس قوم کی دلیری

آثار کہہ رہے ہیں کوششِ دلِ حزیں میں
جیسا سہا تو تُو بھی مل جائے گا انہیں میں

بچنا اگر ہے تجھ کو اس دور میں تو سورہ
بے رونقی پہ کر صبر، اللہ ہی کا ہو رہ

---

۱ DEAR
۲ BOTHER؛ دِق کرنا
۳ LAW، قانون

متفرق

رباعیات و قطعات

ظاہر تری رحمت نہفتہ ہو جائے　　بیدار ہمارا بختِ خفتہ ہو جائے
کھلایا ہوا ہے دل ہمارا یا رب　　بھیج ایسی ہوا کہ شگفتہ ہو جائے

روشن سینے میں شمعِ ایماں کر دے　　دل تیری طرف رہے وہ ساماں کر دے
دنیا سے ہو بے خبر ترے شوق میں روح　　یا رب اکبرؔ پہ زیست آساں کر دے

وجد میں لائے گا یہ مضمون اہلِ ذوق کو　　دھوم تھی روزِ ازل اس سیدِ ذی جاہ کی
جب رکے آثارِ فطرت کہہ کے حرفِ لَا اِلٰہ　　نورِ احمدؐ سے اٹھی آوازِ اِلَّا اللّٰہ کی

احباب نے طویل مضامیں وہاں پڑھے　　لیکن مری زبان کا تھا حصّہ مختصر
میں نے تو بزمِ نعت میں اتنا ہی پڑھ دیا　　بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

جنابِ فاطمہؓ کے مرتبہ کا کیا کہنا　　ہمیشہ چاہیے اُن پر درود خواں رہنا
جنابِ حیدرِ کرارؓ کی ہیں وہ بی بی　　حسنؓ حسینؓ کی ماں ہیں، رسولؐ کی بیٹی

حضرت کی نبوت میں ہو کس طرح مجھے شک　　ہر ذرّہ کو ہے وردِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ
تھی شانِ جلالی کہ عدو رُک گئے آخر　　وہ نور تھا عالی کہ صنم جھک گئے آخر

ہستی ہے خوب اکبرؔ نا خوب یہ خودی ہے　　دونوں میں فرق کرنا عرفان بس یہی ہے
نفیِ خودی میں لیکن ہستی کا حس ہو جس کو　　کتنی قوی بنا ہر یہ بحثِ فلسفی ہے
کیونکر جہانِ صورت اس مسئلے کو سمجھے　　یہ عالمِ معانی بالائے زندگی ہے
ہوش و حواس گم ہیں لیکن زبانِ عارف　　توحید کا مزا ان لفظوں میں لے رہی ہے

ہو جو تقویٰ کے سوا ترکِ موالات کچھ اور　　تو وہ اسلام نہیں بلکہ ہوئی بات کچھ اور
علما خوش ہوئے سن کر یہ مرا شعر اکبرؔ　　ہاں مخالف نے کہا، بکیے خرافات کچھ اور

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا　　آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآں کے اثر کو روک دینے کے لیے　　ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

قرآن و حدیث میں ہے ڈوبا واعظ　　چسپاں ہو مگر اس کا یہ مضمون کہاں
گھر پہلے بنا کے خانہ داری سیکھلا　　ملت ہی نہیں ہے جب تو قانون کہاں

ہے اُن کی جبیں اور بتوں کی درگاہ　　ہیں شرکِ خفی میں مبتلا شام و پگاہ
ان کو یہ خیال ہے کہ مومن کے لیے　　قرآن میں ہے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہ!

ہر ساعت رخت بستہ دنیا میں رہے　　مغموم و ملول و خستہ دنیا میں رہے
عاشورہ ہے ہر روز پس از قتلِ حسینؓ　　مومن اب دل شکستہ دنیا میں رہے

جو چاہے کفر کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا　　بجا ہے تم کو اکبرؔ اپنا ملنا اُس سے کم کرنا
مراقب کو بہت آساں ہے گردن کو خم کرنا　　مگر مشکل ہے دل کو یادِ خالق سے بہم کرنا

دیکھو جو مقابل اُس کے سارا عالم　　دنیا بخدا ہے اِک ذرّے سے بھی کم
اُس اک ذرّے میں ہے ہماری کیا اصل　　نا فہم ہیں کہ رہے ہیں نا حق ہم ہم

مسکین گدا ہو یا ہو شاہِ ذی جاہ　　بیماری و موت سے کہاں کسی کو پناہ
آ ہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت　　کرنا پڑتا ہے سب کو اللّٰہ اللّٰہ!

قائم یہی بُرت اور مزا رکھیے　　دل کو مشتاقِ مسِ ڈیسوزا رکھیے
ان باتوں پہ معترض نہ ہوگا کوئی　　پڑھیے جو نماز اور روزہ رکھیے!

نیچر کو ہوئی خواہش زن کی اور نفس نے چاہا رشکِ پری
شیطان نے دی ترغیب کہ ہاں لذّت تو ملے، زانی ہی سہی!
نیچر کی طلب بالکل ہے بجا اور نفس کی خواہش بھی ہے روا
شیطان کا ساتھ البتہ بُرا اور خوفِ خدا ہے اس کی دوا
نیچر کی تو حد میں تقویٰ ہے اور نفس پہ کچھ الزام نہیں
ہاں ساتھ اگر شیطان کا ہو تو نیک ترا انجام نہیں

بے بصیرت ہے مگر تو منکرِ شیخ و ولی　　نا شگفتہ رہ گئی بے شک ترے دل کی کلی
چشم پیدا کن کہ بینی آشکار و ہم نہاں　　در قبائے گل رخاں رنگِ نبیؐ، بوئے علیؓ

پڑتا ہے بتوں سے ساعتِ چند کا کام　　تمہید میں اس کی دولت و عمر تمام
اللّٰہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ　　دشوار ہے نفس پر عبادت کا نام

فیضِ حضرت بہر نمط ہوتا ہے　　دل کو مرے حظ یہیں فقط ہوتا ہے
ہر امرِ غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح　　اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے

طالبِ زر ہے جن کو اسے اکبرؔ　　وہ رہیں منکرِ خزانۂ غیب
ہم تو مضموں وہیں سے پاتے ہیں　　معتقد ہم تو اس کے ہیں لاریب

دراصل نفس کی چالاکیاں ہیں، گھاتیں ہیں　　جو دیکھیے تو دکھاوے کی سب یہ باتیں ہیں
نہ قوم کی تمہیں اُلفت نہ قوم کا ہے وجود　　فقط یہ پولیٹیکل ایکزات کا ہے صعود
تمہارے سامنے کچھ مغربی ضوابط ہیں　　یہ اسم و فعل نہیں ہیں، فقط روابط ہیں
نہ قوم ساتھ تمہارے نہ تم ہو قوم کے ساتھ　　تمہارا پیٹ، تمہارا منہ اور تمہارا ہاتھ
خدا پرست کے تیور ہی اور ہوتے ہیں　　خطا معاف، وہ جوہر ہی اور ہوتے ہیں

فخرِ عرب پہ گو ہے تمہیں شوقِ ناز کا   بہتر ہے اس سے ذوق درود و نماز کا
گردن اٹھایئے نہ بہت پالٹیکس میں   مسجد میں اب ہے کام جبینِ نیاز کا

جلوۂ قدرتِ باری ہے سدا پیشِ نگاہ   نہ حکومت کا ہے ماتم نہ غمِ مال سے کام
کوئی ماضی میں ہے اُلجھا کوئی مستقبل میں   صوتِ سرمد پہ مجھے تو ہے فقط حال سے کام

کمیٹیوں میں ہے رونے کا خوب شوق انہیں   مگر نماز و دُعا کا نہیں ہے ذوق اُنہیں
بغیر طاعتِ حق ہے محال یک جہتی   خدا کرے کہ نظر آئے تحت و فوق اُنہیں

کسی درجے میں دنیا کے اگر کوئی معزز ہے   سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز ہی بس میرا مرکز ہے
مگر ایسا سمجھنا ہے سراسر اس کی نادانی   وہ عزت اک تماشا ہے، وہ حالت اسکی ہے فانی
پناہِ نفس ہے شک ہے مگر مرکز نہیں دل کا   اسی پہ مطمئن رہنا نہیں ہے کام عاقل کا
وہ کہتا ہے کہ دل کیا چیز ہے بس نفس کی خواہش   وہ کہتا ہے کہ باطن کیا فقط اعضا کی ہے سازش

ایمان پہ ہے قائم جو رہا، پیدا ہوئی آخر شکل کوئی!
بالکل ہی سکون اس میں جو نہ ہو، پھر دائرۂ تحقیق کہاں؟
ہر بات پہ جس نے شک ہی کیا، وہ صرف پریشاں باطن تھا
پرکار سے نقش اس وقت بنا اک جزو جب اس کا ساکن تھا

مخلوق ہی کا محو ہے یہ، رب کا ذکر کیا   مطلب ہی کا غلام ہے، مذہب کا ذکر کیا؟
غیرت ہی جب نہیں ہے تو ایمان ہو چکا   انسان ہی نہیں ہے، مسلمان ہو چکا!

مذہب ہے امرِ قومی، سمجھو نہ فعل ذاتی   معذور سب ہیں اس میں، گنگو ہوں یا دناتی
شیعہ ہوں خواہ سُنّی، لالہ ہوں یا برہمن   مذہب کو مورثوں سے پاتے ہیں سب عموماً
پولیٹیکل ضرورت بے شک اس کی اوّل   اب اس طرف توجہ لازم ہے صرف سوشل
تعلیم ہے جو عمدہ، صحبت اگر ہے اچھی   پاؤ گے اس کو اچھا، طینت اگر ہے اچھی
ناری ہے یا کہ ناجی، اس کا بیاں نہیں ہے   سوشل طریق یہ ہے، اور وہ تو رازِ دیں ہے

مرے نزدیک تو ہے اصل یہ اشکال ظاہر ہیں   جو اچھے ہیں وہ مومن ہیں، بُرے ہیں جو وہ کافر ہیں
وہی ہیں پاک طینت، لو لگی ہے جن کی خالق سے   نہیں ہے شرک کی جن میں نجاست، بس وہ طاہر ہیں

مذہب کی لیپ پوت سے دبتی نہیں ہے عقل   بس عشق ہی مٹاتا ہے اس کی کرید کو
دینِ خدا کے نور کا جلوہ نصیب ہو   دل کی نگاہ پائے جو وحدت کے بھید کو

پاسِ انفاس اگر ہو ملحوظ   ہر نفس راہِ کامرانی ہے
سانس لینے کا ورنہ کیا حاصل   صرف اک شغلِ زندگانی ہے

حافظِ شیراز کا کیا پوچھنا، تھے خوش بیاں   اُن کا یہ مطلع ہے اب تک انجمن میں بر زباں
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما   چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما؟

حضرت اکبر بھی لیکن اس زمانے میں ہیں فرد   اُن کا یہ مطلع کوئی پڑھتا تھا کل با آہِ سرد
دوش از صحنِ حرم آمد بہ کالج قومِ ما   دیدنی گردیدہ است اکنوں صلوٰۃ و صومِ ما

بدن طاہر ہو اور توحید دل میں   تو ہم سمجھے ہیں اپنے آبِ گل میں
شگفتہ رکھے گی ہم کو طہارت   جھکا ہی دے گی دل طاعت پہ وحدت

غلط بالکل یہ دعویٰ ہے، خدا کو جان سکتے ہیں   مگر یہ صاف ظاہر ہے، خدا کو مان سکتے ہیں
تعجب کیا اسے محدود ہستی نے نہیں جانا   تعجب ہے اگر محتاج ہستی نے نہیں مانا

مادہ سب میں یہ ہو، یہ اک خیالِ خام ہے   اک مذاقِ طبع ہے جس کا تصوف نام ہے
وہ تو ہے معذور جس کے دل میں اس کا ذوق ہو   اس سے خالی جس کا دل ہو، اس پہ کیا الزام ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال   منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے   دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

یہ عزم ترا سعی سے دمساز ہو کیوں کر   اسباب نہ ہوں جمع تو آغاز ہو کیونکر؟
اسباب کرے جمع، خدا ہی کا ہے یہ کام   طالب ہو خدا ہی سے، دعا ہی کا ہے یہ کام
بے طاعت و نیکی نہیں تاثیرِ دعا کچھ   آنے کی نہیں کام فقط حرص و ہوا کچھ
منظور اگر کبر و تفاخر کا سبق ہے   تخصیص تری کیا ہے، حریفوں کو بھی حق ہے
یہ کش مکشِ فطرتِ دنیا ہے مسلسل   اک آج اگر صاحبِ طاقت ہے تو اک کل
نیکی کی طرف رُخ ہو، یہی ناموری ہے   کھوٹے کو جدا کر دے، وہی بات کھری ہے

صد حیف کہ ماہِ رمضاں ختم ہوا آج   پھر رات کو عالم ہے وہی بے خبری کا
اٹھتے تھے سحر کھانے کو اور جلتی تھیں شمعیں   افسوس گیا نورِ چراغِ سحری کا

قرآن رہے پیشِ نظر، یہ ہے شریعت   اللہ رہے پیشِ نظر، یہ ہے تصوف
مقصود تو واحد ہے اگر غور سے دیکھو!   غافل نہ رہے اس سے، اسی کا ہے تاسف

ضبطی پہ چڑھ توحید ہوئی، خیر یہ ہے   قُل ھُوَ اللہُ اَحَد ضبط نہیں، خیر یہ ہے
نورِ ایماں کی ضرورت نہیں سمجھا سائنس   وجہ خاموشیٔ حرم و دیر یہ ہے
مغربی پارک میں چکر کے سوا کچھ بھی نہیں   دلِ رنگیں کی ہوا کھاؤ، بڑی سیر یہ ہے

اللہ نے کہا ہے، تم زیرِ امتحاں ہو   ہم جانتے ہیں، بس ہم دنیا کے ممتحن ہیں
خود نفس کے ہیں تابع، تقویٰ سے بے تعلق   اوروں پہ نکتہ چینی میں غرق رات دن ہیں

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے   دنیا گزراں ہے، ہیچ ہے، فانی ہے
لیکن مرنا جو عالمِ وجد میں ہو   گویا کہ شعاعِ نورِ یزدانی ہے

انور سے کہا میں نے کہ خوش اتنے ہو کیوں تم   تقریر نہ تحریر، نہ غصہ نہ خوشامد

بابو نہ دمساز، نہ یاروں کے ہم آواز   ماہی میں نہ ممتاز، نہ اشتر میں سرآمد
کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے   کاں را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

ترقی خواہ ہے تو صحنِ مسجد چھوڑ دے اکبرؔ   کہا اُس نے ترقی سے تو خود پہنچے گی مسجد تک
نوّدہ نام ادھر، ننانوے کا پھیر اُدھر یعنی   اُنہیں سو تک پہنچنا ہے، مجھے اللہ واحد تک

پوچھے کوئی اگر تصنیف کیا؟   کہہ دو اکبرؔ کہ لفظِ بے معنی
پوچھے کوئی اگر شریعت کیا؟   کہہ دو اکبرؔ کہ لفظِ با معنی
پوچھے کوئی اگر تصوّف کیا؟   کہہ دو اکبرؔ کہ معنیِ بے لفظ

گو کہ دونوں ہی نظر آتے ہیں نیک   ایک ظاہر، ایک میں باطن کی ٹیک
میں نے پُوچھا، ایک اور اک کے ہوئے؟   دے جواب اس کا تمہاری طبعِ نیک
بے تکلف کہہ دیا مُلّا نے، دو!   حضرتِ صوفی یہ بولے، پھر بھی ایک

فدا ہوں ہادیانِ دینِ حق کی شان پر   پرستش میں مگر تقلیدِ ابراہیمؑ کرتا ہوں
فروغِ روئے انسانی بھی ہے اور شمسِ تاباں بھی   مگر میں لَا اُحِبُّ الآفِلِین تعلیم کرتا ہوں
درونِ اہلِ دل کا جب کھُلا ہو جانبِ عرفاں   تو بے شک فیضِ روحانی کو بھی تسلیم کرتا ہوں

عجیب معنیٔ نازک ہیں اس مقولے میں   نظر وسیع جو ہو، بندگی میں شاہی ہے
خدا کے ساتھ نہیں ہو تو کچھ نہیں ہو تم   خدا کے ساتھ اگر ہو تو پھر خدا ہی ہے

لات و عزّیٰ سے چھٹے تو زید و خالد میں پھنسے   فائدہ کیا خلق کو پہنچا درِ اسلام سے
انتظامِ دہر کہتا ہے کہ یہ اک بھید ہے!   کام رکھ تُو اپنے دل میں بس خدا کے نام سے

آغاز یہ تھا کہ دل بڑھا تھا   جو بُت تھا، نگاہ پر چڑھا تھا
انجام یہ ہے کہ مر رہے ہیں   اللہ، اللہ کر رہے ہیں

ہم کو نہیں اُن کے عیش و راحت پر رشک   بے غیرت و کودن اس پہ برساتے ہیں اشک
کافی ہے ہمیں عبادتِ حق کے لیے   ایک اونٹنی، ایک پال، پانی اک مشک

یہ کہتے نہیں ہم کہ گردوں نے ہم کو   مسلمان ہونے کا شائق نہ رکھا
مگر یہ کہ اوضاعِ دنیا نے ہم کو   مسلمان رہنے کے لائق نہ رکھا

خُمِ ایماں ملا ہے ساقیٔ میخانۂ دیں سے   میں اک قطرہ بھی ایسا بادۂ صافی نہ چھوڑوں گا
خدا کے نام پر موت آئی تو یہ بھی شناخت ہے   نہ چھوٹے مجھ کو بیماری، میں یا شافی نہ چھوڑوں گا

انبیا رہی کر گئے دُنیا میں کام اللہ کا   ہم تو ہیں محوِ خودی اور بس ہے نام اللہ کا
کچھ اگر کرنا بھی ہم چاہیں تو کر سکتے نہیں   کالج اور آفس میں کیا پہنچے کلام اللہ کا
تذکرہ ہو بھی جو کچھ، اس پر عمل کرتا ہے کون   نام تک لینا ہے مشکل صبح و شام اللہ کا

خانقاہیں چپ ہیں، ہوٹل اور کلب آباد ہیں   مغربی کپ دور میں ہیں گُم ہے جام اللہ کا
ہاں، موحد کہتے ہیں اس کو بھی اک رنگِ ظہور   اس کی مرضی ہے یہی، یہ بھی ہے کام اللہ کا

اے غافلو رہوگے یہ کب تک غریقِ نوم   حد سے زیادہ زار و زبوں اب ہے حالِ قوم
اس کا علاج واعظِ اسلام سے سُنو   پاکیزگی و نیکی و صبر و صلوٰۃ و صوم

یہ تصوّف کہاں، یہ جوگ کہاں   ہو چکے بس، اب ایسے لوگ کہاں
میل دُنیا سے چھوڑیئے اکبرؔ   آپ کا دل کہاں، یہ روگ کہاں

ہند ہو یا عربستان، کہیں رہ کے مروں   یہ ضروری ہے کہ کچھ رنج و الم سہ کے مروں
یاں کسی نقش کو گردوں نہیں جمنے دیتا   اللہ اللہ کے سوا اور میں کیا کہہ کے مروں

ثواب جب ہے کہ ناخوش ہو اس بنا پر تم   دلوں کو طاعتِ حق سے یہ دُور کرتے ہیں
نہ یہ کہ عیش ہمارا کیا انہوں نے تلخ   ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں

مدح کم حسنِ عمل کی ہے یہاں   رہتے ہیں سب طعن ہی کی تاک میں
سربلندی میری سجدے سے ہوئی   بُت ہنسے مٹّی لگی ہے ناک میں

دے خواہ نہ دے یا واپس لے، داتا سے لگی ہے دل کی لگن
جو کچھ بھی ملا ہے شکر اُس کا، چھن جائے اگر، جب بھی ہیں مگن
بے رونق ہے جینا، جیتے ہیں، اَن کھاتے ہیں، جل پیتے ہیں
سامانِ حفاظت کچھ بھی نہیں ہے، پاس نہ اپنے سُورڈ[1] نہ گن[2]

ہادی تو ملیں، منزلِ دل خواہ تو پائیں   چلنے کو ہیں تیار، کوئی راہ تو پائیں
کیا برکتِ انفاسِ بزرگاں کے ہوں طالب   سنتے ہیں کہیں قلبِ حق آگاہ تو پائیں
یکسوئی و تقویٰ بھی بڑی چیز ہے اکبرؔ   لیکن یہ ہمیں دے اگر اللہ تو پائیں!

ہم نیک خصال ہیں، یہ تسلیم نہیں   دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریقِ عاداتِ عجم!   واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

عمر کم رہ گئی دلکش کوئی تمہید نہیں   اب بظاہر مجھے دنیا میں کچھ امید نہیں
رمضاں میں جو ہے صوم سے محروم اکبرؔ   سامنے اُن کے بھی حلوا ہے مگر عید نہیں

موقعے نکل آئے ہیں بہت کفر کی گوں کے   افسوس مسلمان بہت دیر میں چونکے
ہے نفسِ بشر میں حسد و حرص کی اک آگ   شیطان ہی کا کام ہے اس آگ کو دھونکے

مجلس میں خیالِ بادہ نوشی پایا   مکتب میں سرِ سخن فروشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا اے اکبرؔ   لیکن اک عالمِ خموشی پایا

---

[1] SWORD، تلوار   [2] Gun، بندوق

شیطان ہے دن جو نورِ ایماں نہ رہے   دشمن ہے زباں جو وردِ قرآں نہ رہے
کہتی ہے یہ ہسٹری[1] بہ آوازِ بلند   تم کچھ نہ رہے اگر مسلماں نہ رہے

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی   افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہے
گرجا میں تو کرنل و کمشنر بھی ہیں موجود   مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے

اسلام کی بُو وہاں نہیں ہے مطلق   مسجد بھی ہے، مولوی بھی ہیں، ٹھاٹ بھی ہے
دریا میں نہیں جوہرِ تیغ اکبر   گو آب بھی اس میں دھار بھی، کاٹ بھی ہے

توحید ان کے دلوں میں محفوظ نہیں   اللہ کے ذکر سے یہ محظوظ نہیں
اس فرقۂ نو کو میں نے دیکھا اکبر   اسلام اُن کی نظر میں ملحوظ نہیں

بنگلوں سے نماز اور وظیفہ رخصت   کالج سے امام ابوحنیفہؒ رُخصت
صاحب سے سُنی ہے اب قیامت کی خبر   قسطنطنیہ سے ہیں خلیفہ رُخصت

جاتی رہی وعظِ مذہبی کی قوت   ہر سر میں سمائی خودسری کی قوت
اطفال کو ناز ہے، مگر قومی آنکھ   روتی ہے کہ ہے یہ خودکشی کی قوت

تحریکِ ضرورتِ معیشت ہے بہت   فرقے کو بھی اب خیالِ خلعت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے   اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

سوجھا نہیں خودغرض کو آئینِ صواب   جتنا چھوڑو گے ہم کو، تم ہوگے خراب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا   دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

مجھے سُنا کے یہ کہتا تھا ایک طفلِ ذہین   یہ سچ ہے ہم میں وفا و ادب کی بُو بھی نہیں
سبب ہے اس کا مگر صرف ضعفِ ملّت و دیں   جنابِ قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دیرنشیں

پڑھے اُس جا، جہاں تاثیرِ ملت جا نہیں سکتی   بسے اُس جا کہ آوازِ اذاں بھی آ نہیں سکتی
نہ وہ مکتب نہ وہ مُلّا، نہ وہ صورت نہ وہ سیرت   سوا نامِ خدا کے قوم میں اب کیا رہا باقی

تنہائی و طاعت کا یہ دور ہے اب دشمن   پیڑوں پہ نہ وہ طائر، صحرا پہ نہ وہ جوبن
جنگل کے جو تھے سائیں، وہ ریل کے ہیں پائیں   املی کی جگہ سگنل، قمری کی جگہ انجن
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے   کونسل میں بہت سیّد، مسجد میں فقط جمّن

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں   قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیالِ فردا کس کو؟   جب ریل ہے سامنے تو جبریلؑ کہاں

وہ وقعت اُٹھ گئی جب دل سے آئینِ حجازی کی
امامِ قوم بننے کو ضرورت کیا نمازی کی؟
بُتوں سے اب تو ہیں سرگوشیاں واعظ کی محفل میں
نہ کوئی مجلسی کی بات سُنتا ہے نہ رازی کی

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت   وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں چائے پی کر حسبِ دستور   تلاوت کرتے ہیں وہ پائنیر[1] کی

کچھ دل ایسے ہیں کہ ہے جن میں مضامین کا جوش
کچھ زبانیں ہیں، دکھاتی ہیں جو تحسین کا جوش
ذوقِ طاعت کا مگر دل میں نہیں ہے پیدا!
نہ زبانوں پہ دعائیں ہیں، نہ آمین کا جوش!

دو خبر اُن کو خدا سے جو بچھڑے جاتے ہیں   کہ بُتوں کی بھی نظر سے وہ گرے جاتے ہیں
میں نے مانا کہ کلیں تیز چلی ہیں لیکن   آپ شہتیر نہیں ہیں کہ چرے جاتے ہیں

حواس و فہم میں اُلجھے ہوئے ہیں   برات و سہم میں اُلجھے ہوئے ہیں
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار   سب اپنے وہم میں اُلجھے ہوئے ہیں

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد   افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی   عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو   لیکن قرآں کی بھی تفسیر پڑھو
عظمتِ دنیا کی جب دبائے دل کو   خالق کا کرو خیال، تکبیر پڑھو

ہے عقلِ بشر بھی تابعِ حکمِ خدا   بےفائدہ سب میں بحث و تقریر ہے یہ
تدبیر کے باب میں ہے اُن کو شُبہ   کہہ دو اکبر کہ جزوِ تقدیر ہے یہ

اسیرِ بحث کب باغیرت و ذی ہوش رہتے ہیں   مٹا دیتے ہیں، مٹ جاتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں
معانی گرم رکھتے ہیں جنہیں اللہ اکبر کے   انہیں سینوں میں اے اکبر دلِ پرجوش رہتے ہیں
عجب میدان ہے جس میں ہے مشقِ سعیِ بےحاصل   عجب بستی ہے جس میں مردِ ناحق کوش رہتے ہیں

رُکتا نہیں انقلاب جاری کیا ہے   حیراں ہیں ملک، بشر بچارا کیا ہے
تسکیں کے لیے مگر ہے کافی یہ خیال   جو کچھ ہے خدا کا ہے، ہمارا کیا ہے

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے   شیطان نے فلسفے میں اُلجھایا ہے
قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر   معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

---

[1] HISTORY تاریخ

[1] PIONEER، ایک انگریزی اخبار

ایمان و حواس و حق پرستی کیا ہے؟ یہ غفلت و کفر و جوشِ مستی کیا ہے؟
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور یہ مجھ سے نہ پوچھ، پھر وہ ہستی کیا ہے؟

ہر قدم در منزلِ ہستی مرا رنج و غمے است
حمدِ رب العالمیں فرض است و ایں ہم عالمے است
رنج و راحت را دریں دنیا نباشد وقعتے!
ایں جہاں یک روزہ ہست و عمرِ ما ہم یک دمے است

سیکھ لی دہر کے چراغ کی ساخت کفر آلود تھی دماغ کی ساخت!
وہ سیانے ہیں اور ہم کالے دونوں میں مشترک ہے زاغ کی ساخت

فطرت کے رموز عقلِ انساں سے ہیں دور بے کار ہیں اس مقام پر عقل و شعور
دیکھو یہ عجیب بات ہے اے اکبر مرنا بھی ضرور اور اس سے بچنا بھی ضرور

جہانِ فانی کے حادثوں کا خیال کب تک کیا کرے گا!
جو ہو رہا تھا، وہ ہو رہا ہے، جو ہو رہا ہے، ہوا کرے گا
کہاں تک اخبار ہوں گے شائع، نہ کر عبادت کا وقت ضائع
کمیٹیاں قبر میں نہ ہوں گی، نہ تو ہمیشہ جیا کرے گا

فنا خواہاں ہے، نقشے راہ لیں اپنے ٹھکانے کی مگر تکوین میں ہے مشق مجموعہ بنانے کی
حیاتِ جاوداں ہوتی ہے جس کی یاد سے حاصل ہمیں قوت اسی نے دی ہے اس کو بھول جانے کی

آئینہ لفظِ خدا ہے بیسیوں مفہوم کا اور ازاں جملہ مرادف ہے یہ نامعلوم کا
سب کا حصہ قوت و حالت کے لائق ہے یہاں بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں مقسوم کا

قولِ ملحد ہے کہ نیچر ہو گیا میرا معین اور فلک کی ہے صدا وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن
ہم خموشی سے تماشا دیکھتے ہیں دہر کا دیکھنا ہے کون سچ کہتا ہے، دنیا یا کہ دین!

اثباتِ خدا کو منطقی اٹھ نہ سکا خاکِ حیرت سے ذہن ہی اٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری! ثابت ہونے کا بار بھی اٹھ نہ سکا

دنیا میں جو ہو چکا ہے کافی ہے سبق کیا ہوگا، قیاس کیوں، الٹتا ہے ورق؟
فتنوں کی جگہ یہ ہے، سمجھ تو اتنا! مرنا ہے ضرور اور قیامت برحق!

اکبر اس باب میں نہ کر فکر بہت منطق کے گھر میں کچھ نہیں اس کا علاج
مذہب کے قبول میں زیادہ ہیں دخیل سوشل[1] افراد اور افتادِ مزاج

عشق میں بے خود نہ تھا، ابتر رہا، مضطر رہا
دل دلیلوں کا تھا ساتھی، ہر طرف ششدر رہا
گو ترقی کی خرد نے، پھر بھی پستی میں رہی
جس جگہ پہنچی سمجھ، رازِ ازل برتر رہا

پھری بھی رُت تو میں نشو و نما کو کیا کرتا نہ تھی وہ نکہتِ گل، پھر صبا کو کیا کرتا
ارادہ تھا کہ میں ہستی سے کر لوں قطعِ نظر نہ ہو سکا مگر ایسا، خدا کو کیا کرتا

عمومی ہے خلقت نوازیٔ عمر ہر اک کھیل لیتا ہے بازیٔ عمر
مگر یاد رکھ، جوشِ طاقت فقط نہیں ہے دلیلِ درازیٔ عمر

اس طرف تو نے ہسٹری رٹ لی اس طرف جا کے فلسفہ پھانکا
لیکن اکبر خیالِ عقبیٰ سے نار و جنت کو بھی کبھی جھانکا

یہ قولِ کفر جو مانو بھی تم بفرضِ محال کہ روح ہیچ ہے اور بعدِ مرگ کچھ بھی نہیں
خدا کا نام ہے جب بھی بشر کو اک نعمت وگرنہ دل کے لیے ساز و برگ کچھ بھی نہیں

تو حشر کا منکر ہے اے فتنۂ دوراں کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اس کا کہاں ہے؟
نیچر ہی سے ابھرا ہے ترا قامتِ رعنا نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

کیوں خدا کے باب میں بحثوں کی اتنی دھوم ہے
ہست میں شبہ نہیں ہے، چیست نامعلوم ہے
اس تغیر پر بھی ہے ذہنوں میں قائم کوئی چیز
اور وہ کیا ہے فقط یا حیُّ یا قیّوم ہے

طرزِ مغرب کو دیکھ کے جو کہے با ہمیں طرح با بباید ساخت
کہہ دے قرآں سے بھی وہ یہ بات با ہمیں شرح با بباید ساخت

میزانِ نظر میں اپنی قوت تولے خالی الفاظ کی دکان کیوں کھولے!
اللہ کو مان لے، دلیلیں کیسی! اکبر سے کہو کہ خود تو ثابت ہولے

مذہب کے باب میں کوئی کس کو بدل سکے یہ تو وہ کر سکے کہ جو حس کو بدل سکے
جس امرِ فطرتی ہے خدا ہی کی شان ہے منطق سے پہلے عادت و حس کی اٹھان ہے
میلانِ طبع ہوتا ہے قائم شروع میں پھر اس کے آگے رہتی ہے منطق رکوع میں
اس کے خلاف کچھ جو کہیں ہو، وہ شاذ ہے یا جبر، یا وہ مصلحتوں کا نفاذ ہے

خلقت کی مصلحت سے ہم کچھ یہ پیار ہے ورنہ ہر ایک اپنی طرف بے قرار ہے
ہر ذرہ ہے یہاں اسے اک انتشار ہے مرجع تمام خلق کا پروردگار ہے
ہر آن میں ہے شان خدائے قدیر کی ہر سمت اک صدا ہے الیہ المصیر کی

---

[1] Social، معاشرتی و تمدنی

اک بحث میں اُلجھ کر دنیا کا کام چھوڑا چھوڑی سحر نہ اُس نے ہنگامِ شام چھوڑا
ہر فلسفی نے لیکن عمر اپنی ختم کر دی جو بحث اٹھائی اس کو بس ناتمام چھوڑا
اَکْمَلْتُ کا اشارہ کافی ہے تجھ کو اکبر پھر دل کا کیا ہے مرکز جب یہ مقام چھوڑا

منکر کے خیال میں پریشانی ہے اس کا منشا فقط ہوس رانی ہے
دنیا فانی ہے وہ بھی ہے اس کا مُقِر لیکن نہ سمجھ سکا کہ کیوں فانی ہے

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف
دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے بے رونقیٔ دوکان و دربار کا خوف

خدا کے باب میں کیا آپ مجھ سے بحث کرتے ہیں
خدا وہ ہے کہ جس کے حکم سے صاحب بھی مرتے ہیں
مگر اس شعر کو میں غالباً قائم نہ رکھوں گا
مجھے تم کو غرض، خدا کو آپ کیوں بدنام کرتے ہیں!

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے اس کے لیے کون سر بکف ہوتا ہے
دنیا طلبی میں ہے یہ ہنگامہ و شور حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

انسان چاہیے جو بات، اچھی چاہیے بدیوں سے محترز ہو، نیکی چاہیے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب جس کا مطلب ہے کرو وہ جو جی چاہے

بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے دنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قائم کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
پارک کوئی کر دے گی عطا اُن کو گورنمنٹ یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے

ہیں اہلِ جہاں منکرِ اللہ سے کد پر دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کی لحد پر
ہنگامے انہیں کے ہیں صلِّ علیٰ کے جو زیست میں عاشق تھے ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پر

الحاد کی بنیاد ہے جس چیز نے ڈالی دشمن اُسے سمجھے گی نظر دیکھنے والی
اکبر کی فغاں کو نہ کہو خام خیالی فرماتے ہیں رو رو کے یہ خود حضرتِ حالیؔ
اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

مرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں، نہ بھائی خوش ہیں، نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا، دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں
جو دیکھا سائنس کا یہ چکر، دھرم پکارا کہ اے برادر
ہمارے دور میں پُن مگن تھے، تمہارے دور میں پاپ خوش ہیں

میں نے کہا کہ اب تو مسجد سے ہے مجھے کد گرجا ابھر کے بولا میں اس سے خوش ہوں بےحد
میں نے کہا، مخالف تیرا بھی ہوں، تو بولا میری ہی پالیسی کی واللہ ہے یہ ابجد

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے میں لیٹا تو اُٹھ کر کھڑے ہو گئے
نہیں اُن کو کچھ شرم لاحولِ قوم یہ ملحد تو چکنے گھڑے ہو گئے

مذموم ہے رمز و طعنہ و کبر و حسد رکھو یہ روش کرے جو اللہ مدد!
ہم رنگ سے ارتباط با صدق و صفا بے میل سے احتراز بے کینہ و کد

یادِ خدا جو ہوگی ترے دل میں جاگزیں جو کچھ کہے گا، بات تری ہوگی دل نشیں
تحسیں عدوئے دیں جو کریں اس پہ کیا ہے ناز اُن کی قبول ڈھونڈ جو ہوں صاحبِ یقیں
جھوٹی لگاوٹوں سے نہ کر دل کو زیرِ بار ہم رنگ و ہم نوا ہوں، وہی خوب ہم نشیں

بے سود ہے یہ شکوہ و لفاظی و سیر افسوس ہے مخلصوں کو اور ہنستے ہیں غیر
چلیے ابجد سے رَبِّ یَسِّر کہہ کر ہو سکتی ہے اب اُمیدِ تمّت بالخیر

کہنے سننے کی گرم بازاری ہے مشکل ہے اثر مگر پرائے دل میں
ایسا سُنیے کہ کہنے والا اُبھرے ایسی کہیے کہ بیٹھ جائے دل میں

تحصیلِ علوم کر کہ دولت ہے یہی اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت محفوظ ہو معصیت سے، عزت ہے یہی

اعمال کے حُسن سے سنورنا سیکھو اللہ سے نیک اُمید کرنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر بہتر ہے یہی، خوشی سے مرنا سیکھو

تسبیح و دُعا میں جس نے لذت پائی اور ذکرِ خدا سے دل نے راحت پائی
کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھ کر بس دونوں جہاں کی اس نے نعمت پائی

ہستی نے جگایا ہے، کیونکر کہوں سو رہیے اتنی ہی نصیحت ہے، اللہ کے ہو رہیے
اے صوفی و اے مُلّا! اتنی ہی گزارش ہے معنی میں رہے وحدت، الفاظ میں دو رہیے

یہ تھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ اصلاح یہ ہے نمودِ بے اصل کو چھوڑ
بزمِ ملت کا عافیت جُو ہے اگر اللہ کے آگے جھک، اُچھل کود کو چھوڑ

کہہ دو کہ میں خوش ہوں رکھوں گر آپ کو خوش بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

حاصل کرو علم، طبع کو تیز کرو باتیں جو بُری ہیں، ان سے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر اس میں کیا ہے نقلِ انگریز کرو!

دنیا طلبی میں عاجزی کی تو نے
دینی اکرام کیا کیا، کچھ نہ کیا
بس نفسِ حریص کا رہا تو خادم
اللہ کا کام کیا کیا، کچھ نہ کیا

نئے گملوں میں پڑ کر بھول جانا
خدا اور آخرت کو بھول جانا
بہت بے جا ہے یہ واللہ اکبرؔ
ذرا سُن لو تو پھر اسکول جانا

اے جدِ بزرگ کے نواسو پوتو
تزئین کو نہ کرو، زمیں کو جوتو
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو!

یہ وقتِ شکستِ قوم کا ہے بخدا
کرتا ہوں میں تجھ کو اس کی تنبیہ اکبرؔ
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاقِ ضرار
قرآن کو مان لَا تَقُمْ فِیْہِ اکبرؔ

غرور توڑ کے منطق کو سُست کرے گا
زمانہ آپ ہی اس کو درست کرے گا
بلا پہ صبر کرو تم خدا، خدا میں رہو
خدا ہی صبر کی ہمت کو چست کرے گا

بدبو مرے گھر نہ اے شرابی پھیلا
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو
ہر دم ترے منہ سے ہے نکلتی مے لا

تا توانی در جہاں طالب مشو مطلوب باش
با معاشر سہل باش و نیک باش و خوب باش
مذہبے دیگر فدا افتد و اکبرؔ چارہ نیست
باہمہ آزادگی با یکے منسوب باش

نسخے میں کیا دھرا ہے گھر کا ہو یا لندنی
سعی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ
دشمنِ دانا سے بچ، پہچان لے نادان دوست
صرف لفاظی سے ان روزوں نہیں ملنے کی بھیکھ

خزاں سے جنگ کروں، یہ مجھے نہیں سودا
ملول میں بھی ہوں، لیکن ہے انتظارِ بہار
نفیس تخم بنا رکھو اپنے عزموں کو
اور اس کے بعد رہو تم امیدوارِ بہار

نیت ہو اگرچہ خیر و ایماں کی طرف
آنکھیں نہ اٹھاؤ بزمِ عصیاں کی طرف
مانا کہ پڑھو گے واں پہنچ کر لاحول
جانا ہی ضرور کیا ہے شیطاں کی طرف

دنیا کو نہ کاغذِ خبر میں دیکھو
اپنے فردا میں، اپنے گھر میں دیکھو
الفاظ کی شوکت و نزاکت پہ نہ جاؤ
قائل کو نہ قول کے اثر میں دیکھو

اپنی محنت کو اپنا آنر[1] سمجھو
اپنے پاؤں کو اپنا موٹر سمجھو
صحت اچھی ہے تو ہر جگہ ہے عزت
اپنے ہی بدن کو تم اپنا گھر سمجھو
اے بی بیو شرم ہی کو تم سمجھو حُسن
اور اپنے ہنر کو اپنا زیور سمجھو
بی بی میں جو طرزِ مغربی ہو تو کہو
احسان ہے یہ جو مجھ کو شوہر سمجھو
دست اندازی پولیس کی ہو جس میں روا
ہرگز نہ اسے کلامِ اکبرؔ سمجھو

[1] HONOUR، عزت

عجم کی زینتیں سیکھیں، صباحتِ عرب سیکھیں
زمانے کی ترقی جو سکھائے ان کو سب سیکھیں
مگر اک التماس ان نوجوانوں سے میں کرتا ہوں
خدا کے واسطے اپنے بزرگوں کا ادب سیکھیں

یادِ خدا جو ہو گی ترے دل میں جاگزیں
جو کچھ کہے گا، بات تری ہو گی دل نشیں
تحسین عدو کے دیں جو کہے، اس پہ کیا ہے ناز
ان کی قبول ڈھونڈ جو ہوں صاحبِ یقیں
چھوٹی لگاوٹوں سے نہ کرو دل کو زیر بار
ہم رنگ و ہم نوا ہوں، وہی خوب ہم نشیں

صاحبو یہ ناتوانی چھوڑ دو
بھائیوں سے بدگمانی چھوڑ دو
عیب پوشی میں رہو مصروف کار
طعن و تشنیعِ زبانی چھوڑ دو
پند ہی کافی ہے، بعد اس کے سکوت
غصہ اور لاٹھی چلانی چھوڑ دو

سب کو سودا ہے یہی، دولت بڑھے، شہرت بڑھے
اس کا کیا غم، چپکے ہی چپکے اگر شامت بڑھے
اب کہاں اگلی لگاوٹ اور وہ اظہارِ نیاز
بات یہ ہے، وقت بدلا، میں گھٹا، حضرت بڑھے

حصہ حریص کا ہے بے دینی و غلامی
قانع کے واسطے ہے اعزاز و نیک نامی
محنت ہی کے لیے ہے تفریحِ قلب و روزی
مقبولِ دوستاں ہے اکبرؔ کی خوش کلامی

انساں میں معتبر لیاقت بھی ہے
محبوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
اندازِ سخن سے بھی ہے اندازِ طبیع
اک جزوِ قوی مگر ظرافت بھی ہے

تہذیب وہ ہے کہ رنگِ مذہب بھی ہو
آزاد وہ ہے کہ مؤدب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ
اسپیچ وہ ہے کہ جس میں یارب بھی ہو

دل وہ ہے، محو ہو ہر دم طلبِ باری میں
زندگی وہ جو، کٹے موت کی تیاری میں
حسنِ اخلاق ہے دلداریٔ دنیا کرنا
خطرہ جو کچھ ہے، وہ دنیا کی گرفتاری میں

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
دولت تری خادمہ ہو، محبوبہ نہ ہو
شہرت جو کمال سے ہو پیدا، ہو جائے
لیکن بہ تکلفات مطلوبہ نہ ہو

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی
القابِ حبیبی و عزیزی نہ سہی
میٹھے پانی سے ہے زباں شیریں کلام
جاں بخش حرارتِ غریزی نہ سہی

خوبیِ طاعت کی ہے مسلّم اب بھی
عزت اس کی نہیں ہوئی کم اب بھی
خود بین و حریفِ جنگجو ہو نہ اگر
واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

زن، زمیں، زر تو ہے فساد کا گھر
لیکن اتنا کہوں گا اب اکبرؔ
زنِ منکوحہ، شریف و غریب
کیا عجب ہے کرے جو اہی نصیب

روپے کو اپنے کریں صرف وہ جو کھلتے ہیں تو کام آئے غریبوں کے اس محلے میں
یہ بات مجھ کو تو اے باشتی پسند نہیں کہ صرفِ دولتِ عشرت ہو گینڈ بلے میں

سُنیں تو آپ قناعت کے غُل مچانے کو وہ کہہ رہی ہے نہ چھوڑو غریب خانے کو
تمہاری حرص بدل کر تمہیں کرے گی ہلاک ہمارا صبر بدل دے گا اس زمانے کو

محنت کی فکر ادھر ہے، تردد ہے کام کا دل میں اُدھر ترنگ بھی ہے، خودسری بھی ہے
صنعت بھی محوِ سعی ہے، فطرت بھی مستِ ناز باغِ جہاں میں بیل بھی ہے، تیتری بھی ہے

اگرچہ ہے ذوقِ تمکنت کا، لحاظ رکھتا ہوں سلطنت کا
خدا نے قائم کیے ہیں درجے، خیال ہے حدِ منزلت کا
زباں کھولوں تو سوچ لوں گا کہ دل کہاں تک ہے اس کا ساتھی
قدم بڑھاؤں تو دیکھ لوں گا جو منتہا ہے مری سکت کا
میں کب ہوں نغماتِ دل سے غافل، نہیں ہوں سازوں پہ چھچھاتی
بُرا جو کھنچ جائے گا کوئی سُر تو لطف جاتا رہے گا گت کا
وہ قوم کی شرط ہی نہیں ہے، زباں کہیں ہے مکاں کہیں ہے
ستون ہی جب نہیں میسّر تو کیا دکھاؤں میں ٹھاٹھ چھت کا

پیری سے کمر خم ہے، وہ فرماتے ہیں تن جا قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجا
وسعت ہے درِ علم میں، ہے راہِ عمل بند ہے صاف سڑک پاؤں پہ لیکن ہے شکنجا

حواس مختل، سمجھ پریشاں، عمل میں سستی، قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہے، کبھی کوئی پالسی ہے غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبرؔ
مقیمِ دیر و مریدِ شیخ و اسیرِ قانون و محوِ مغرب

ناقہ سمجھو نہ اسے اس میں ہیں اسرار نہاں عالمِ دیں جو ہیں، وہ جانتے ہیں صوم کے سر
نہ تجارت کا سلیقہ، نہ عبادت سے لگاؤ یا گورنمنٹ کے دفتر میں ہیں یا قوم کے سر

خواہشیں کھو دیتی ہیں صبر و شکیب خواہشوں میں ہوتے ہیں اکثر فریب
ہم نشیں کے، نفس کے، شیطاں کے خود غرض احباب کے، سلطاں کے
پہلے آپ اصلاحِ خواہش کیجیے بعد ازاں دُنیا سے سازش کیجیے

فطری خوبی ہے مبتلائے لیج میں بُلبل داخل ہے میوزیکل کالج میں
داخل میں نوائے ساز کی کس کو خبر رعشہ ہر سُر کو ہے مگر خارج میں

عبرت[1] غزالی سوزِ دل جس کا تھا شغل رُوح اس کی نکل کے نورِ لاہوت بنی
خوانِ برگد پہ جو رہا مثلِ مگس جان اُس کی کسی گو دام کی بھوت بنی

رندی و شراب و بزمِ شاہد بھی ہے منطق بھی ہے دلیلِ مُلحد بھی ہے
لیکن قربانِ حکمتِ پیرِ مغاں دو مولوی بھی ہیں، ایک مسجد بھی ہے

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے بے فائدہ آپ کا، یہ کام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے، یہ سب ہے صحیح لیکن خوش ہو جیے، کہ نام آپ کا ہے

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے خوش ہو چکتا ہے، آہ بھر چکتا ہے
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہے رنگ زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہے

جینا تھا جس قدر ہمیں دُنیا میں جی لیے ساغر کی طرح کے ملے اور پی لیے!
غم بھی رہا، خوشی بھی، تحیّر بھی فکر بھی جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لیے

طاقت وہ ہے با اثر جو سلطانی ہے اُس جا ہے چمک جہاں زرافشانی ہے
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھلائے ہنر اچھی ہے وہ تربیت جو رُوحانی ہے

عالم نے یہاں قبول و رد کو جانا دیکھا دنیا کو، نیک و بد کو جانا
عاقل وہ ہے جس نے ہنگامِ عمل اپنی قوت کو، اپنی حد کو جانا

ہر اک سے سُنا نیا فسانا ہم نے دیکھا دنیا میں، اک زمانا ہم نے
اوّل یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز آخر یہ کھُلا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

یہ ہو سکا تو پھر کیا، وہ ہو گیا تو پھر کیا خوابِ لحد میں انساں جب سو گیا تو پھر کیا؟
پھر عقلتیں وہی ہیں اور پھر وہی کلیلیں مجلس پہ آکے دم بھر وہ رو گیا تو پھر کیا؟

دنیا کی طمع میں وہ پھسلا اور میں نے خدا کا نام لیا
لغزش سے وہ خاک آلود ہوا اور صبر نے مجھ کو تھام لیا
ظاہر کا ادب ملحوظ رہا، باطن بھی مگر محفوظ رہا
واعظ سے اِدھر اک بات سنی، ساقی سے اُدھر اک جام لیا

زبانِ خلق صرفِ داستاں بود کہ در دُنیا چنیں بود و چناں بود
نگاہم بود محوِ جلوۂ حال بہ طبعم آنچہ آمد، میہماں بود

شوقِ شہرت بھی بہ نذر کی بڑی چاہ بھی ہے
نفرت انگیز نظر میں ہوسِ جاہ بھی ہے
ہاں مگر حُسنِ بُتاں، زُہرہ جبیں، آفتِ دیں
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہے

---

[1] حضرت اکبرؔ کے چھوٹے بیٹے جن کا بہت کم عمری میں انتقال ہو گیا تھا۔
[2] سید عشرت حسین۔

بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا لائے جو راہ پہ وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے گر دل نہ ہو گرم ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

کیا تم سے کہیں، جہاں کو کیسا پایا غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

کامل کم ہیں اور اہلِ ارشاد بہت ساحر کم ہیں اور ملیں گے صیاد بہت
ہے بزمِ سخن کا حال یہ اے اکبرؔ شاعر کم ہیں مگر ہیں اُستاد بہت

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لیے اور دکھ میں شریک ہونے والا نہ رہا
زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت مر جاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

مُبتلا ہو کر اگر دنیا کو پہچانا تو کیا دام میں پھنس کر اگر صیاد کو جانا تو کیا
تھوڑی سی تحسین بھی اہلِ نظر کی ہے بہت بے بصیرت نے اگر اُستاد بھی مانا تو کیا

حضور عرض کروں میں جو ناگوار نہ ہو وہ یہ کہ موت ہی بہتر ہے جب وقار نہ ہو
الٰہی یہ چمنِ دہر مجھ پہ بار نہ ہو دکھا دے دور سے رنگت گلے کا ہار نہ ہو

دِقّت میں ہیں سب، اک اک کا منہ تکتا ہے خاموش کوئی ہے، اور کوئی بکتا ہے
ہونا یہی چاہیے، کہوں یہ کیوں کر؟ لیکن یہ کہوں گا، ہو بھی سکتا ہے

جہاں نے ساز بدلا، ساز نے نغموں کی گت بدلی گتوں نے رنگ بدلا، رنگ نے یاروں کی مت بدلی
فلک نے دور بدلا، دور نے انسان کو بدلا گئے ہم تم بدل، قانون بدلا، سلطنت بدلی

جب لطف و کرم سے پیش آئے محبوب اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
جب مثلِ نسیم وہ گلے سے لگ جائے مانندِ کلی کے پھول جانا اچھا

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمعِ اخلاص جلنے والے بہت ہیں، دل سوز ہیں کم!

بارہا جوشِ جنوں میں مجھے آیا ہے خیال کہ تماشا ہے یہ ہنگامۂ نیکی و بدی
نظرِ عشق میں ہے زندگی و موت اے اکبرؔ اضطرابِ نفسِ چند و سکونِ ابدی

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
کھلتا نہیں رازِ دہر، شکوہ سب ہے تو یہ اور شکر یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

دولت بھی ہے، فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے لطفِ حسنِ بتانِ دل خواہ بھی ہے
سب سے قطعِ نظر ہے مشکل لیکن اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

دینی پہلو کو اے برادر دیکھو کانٹوں سے ہو محترز، گُلِ تر دیکھو
نظمِ اکبرؔ ہوئی ہے منقوشِ قلوب آنکھیں ہوں اگر، خدا کا دفتر دیکھو

اثر سب پر پڑا ہے انقلابِ رنگِ عالم کا نہ اب ہے طعن کا موقع، نہ ہے اب وقت ماتم کا!
بسر کر با قناعت زندگانی کنجِ عزلت میں نظر "میں" پر مناسب ہے، تصور چھوڑ دے "ہم" کا

فضول بحث میں وقت اپنا کھو نہیں سکتا زیادہ اب شبِ غفلت میں سو نہیں سکتا
گزر گیا دلِ دنیا پسند دنیا سے اس انجمن کا میں اب رکن ہو نہیں سکتا

ممدوحِ شرق و غرب و شمال و جنوب تھے تعریف تھی ہنر کی، بری از عیوب تھے
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تم سے کہ کیسے ہیں ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

اک بحرِ بے کراں ہے حوادث کا سلسلہ اُلجھا جو ذہن اس میں، وہ دیوانہ ہو گیا
اُٹھے مورخین، زمانہ میں گم ہوئے! افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہو گیا

صبح کرتا ہوں دیکھوں کس طرح کٹتا ہے دن شام اُسے ایسا بھلا دیتی ہے گویا کچھ نہ تھا
عمر یونہی کٹ گئی آخر ہُوا معلوم یہ عرصۂ ہستی بجز امروز و فردا کچھ نہ تھا

جینے والوں کی ترنگیں ہیں فقط پیشِ نظر مرنے والوں کے مصائب کی بہت کم ہے خبر
یہی باعث ہے کہ غفلت میں پھنسی ہے دنیا لبِ خنداں کی ہے کثرت عوضِ دیدۂ تر

خبر کیا انقلابِ دہر کی ان نوجوانوں کو نئی حالت، نئی آنکھیں، نئے اُن کے ترانے ہیں
بڑی عمریں ہیں جن کی، اُن سے سُنیے حال دنیا کا نگاہوں میں زمانے ہیں، زبانوں پر فسانے ہیں

گو شیوۂ صبر و قناعت ہی میں اب محظوظ ہوں شہد سے محروم ہوں تو زہر سے محفوظ ہوں
گو حریفوں کی نظر میں رنگ پھیکا ہے مرا نرگسِ مستانۂ ساقی کا میں ملحوظ ہوں

کیوں جلا رکھا ہے اس دور نے پیری میں مجھے ستمِ غیر ضروری یہ فلک کا دیکھو!
کہا گردوں نے، نہیں غیر ضروری یہ بات اپنے مٹنے کا بتدریج تماشا دیکھو

بانیِٔ طرزِ نو کے طریقوں کے متبع خلقِ نکو نہ چھوڑیں گے اولاد کے لیے
البتہ ان بناؤں سے جن کے لیے ہے سعی کچھ جال چھوڑ جائیں گے صیاد کے لیے

اصلی غم و شادی کا نہیں قوم میں اب حس چشمِ عقلا سے یہ بصیرت ہوئی مفقود
پابند ہیں اس کے رزولیوشن[1] جو ہُوا پاس ہنسنے پہ بھی تیار ہیں، رونے کو بھی موجود

بہ چشمش بود رنگِ بے ثباتی بہار آورد گلہا را، خزاں برد
بہ عبرت زندگانی کرد اکبرؔ بران زاد و بران بود و بران مرد

---

۱ RESOLUTION، قرار داد

یہ لیڈر خود ہی مضطر ہیں مگر غصّہ دکھاتے ہیں
جو شخصی زندگی ہے اس کو یہ قومی بناتے ہیں
بجز الفاظ کے حاوی نہیں کُلّی یہ کام ان کے
یہ خود جزئی ہیں لیکن گیت کُلّی کا سُناتے ہیں

کفر پر غصّہ نہیں، فطرت پہ حیرت کچھ نہیں   خانہ جنگی کے سوا بس اور ہمت کچھ نہیں
قوتِ انشا کو آخر صرف کرنا ہے ضرور   کیا کریں زورِ قلم ہے اور طاقت کچھ نہیں

انساں کا علم کامل سابق میں تھا نہ اب ہے   لیکن نئی طرح کا اک بحر بہہ رہا ہے
مرزا غریب چپ ہیں، اُن کی کتاب ردّی   بُدھو اکڑ رہے ہیں، صاحب نے یہ کہا ہے

یہی بحثیں رہیں سب میں، وہ کیسے ہیں، وہ کیسے تھے
یہی سُنتے ہوئے گزری، وہ ایسے ہیں، وہ ایسے تھے
عمل اوروں ہی کے دیکھا کیے، یہ نیک، یہ بد ہیں!
ترقی خود نہ کی کچھ، رہ گئے ویسے کہ جیسے تھے

کیا اس کی خوشی کہ تم کو ہے عقلِ کثیر   ہم کو تو اسی سے کر دیا تم نے فقیر
ہرگز یہ نہیں ہے حسنِ قانونِ خدا   کہتے ہیں حضور اس کو حسنِ تدبیر

گزرے مری نگاہ سے یاروں کے جگھٹے   مطلب یہ تھا، سرور بڑھے اور غم گھٹے
کھانے بھی خوب کھائے، اڑیں گل چھرّیں بھی خوب   لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ، ہم گھٹے
ہم تو اسی کو بات سمجھتے ہیں کام کی   عشقِ صمد زیادہ ہو، عشقِ صنم گھٹے

قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں   نیچرل وہ ہے، یہ ہے مصنوعی
نیچرل چیز بن نہیں سکتی   آئیں کیونکر صفاتِ مجموعی

بن گئی ہے خضرِ راہِ دوستاں کیدِ حریف   بے نمازِ گربہ زاہد سے خوش کبکِ نحیف
ہم کو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں   کون سمجھے شاعروں کے یہ اشاراتِ لطیف

دانم کہ سادگی و خاموشی است اولیٰ   تقلیدِ دہر لیکن بیہودہ است ہوشم
سودائے گفت در سر، وضعِ صلیب در بر   دانم چرا نہ گویم، دارم چرا نہ پوشم

میں بھی ہوں بہ دل مؤیدِ آزادی کا   لیکن اک نکتہ سُن لے اے پاک ضمیر
آزاد ہو اس لیے کہ اغیار رہوں قید   مطلب یہ نہیں کہ خود ہوں غیروں کے اسیر

شتر روباہ سے کمتر ہیں بن میں محتبس ہو کر
بنے ہیں شیر کتنے زینتِ آغوشِ مس ہو کر

---

۵ NATURAL ، فطری

قرارِ دل نہیں تو نورِ عرفاں کیا جگہ پکڑے
وہ شکلِ مہر و مہ موجوں میں کب ہے منعکس ہو کر

پیش آئے ہیں امورِ عادت کے خلاف   پایا نہیں ہم نے اپنی عادت کے خلاف
اولاد کو غالباً یہ تکلیف نہ ہو   وہ خود ہی ہیں موروثوں کی خصلت کے خلاف

اک برگِ مضمحل نے یہ اسپیچ میں کہا   موسم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمہیں!
اچھا جوابِ خشک یہ اک شاخ نے دیا   موسم سے باخبر ہیں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں!

وہ نیو قوم کی ہے، نہ پُشتہ نہ بھیت ہے   بگڑے جو بن رہے ہیں یہ دنیا کی ریت ہے
ہنگامۂ طرب نہیں یہ شورشِ ریفارم   رنج و محن کا ساز ہے، چکّی کا گیت ہے

ہوش آیا ہے تو ہنگامۂ مستی بھی سہی   حسنِ لذت ہے طبیعت میں تو مستی بھی سہی
اصل مقصود ہے خالق کی پرستش لیکن   صورت اچھی ہو تو انسان پرستی بھی سہی

بے دینوں کو جوشِ مستی کیا ہے؟   بندوں میں یہ خود پرستی کیا ہے!
کہتی ہے فلک کی گردش ان سے   تم کیا ہو، تمہاری ہستی کیا ہے!

لطفِ امروز اور ہے اور فکرِ فردا اور ہے   راہِ دنیا اور ہے، اور راہِ عقبیٰ اور ہے
نوجوانوں سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف   چشمِ بینا اور ہے چشمِ تماشا اور ہے

کہتا ہوں تو تہمتِ حسد ہوتی ہے   خاموشی میں دل کو سخت کد ہوتی ہے
دنیا طلبی ضرور ہے انساں کو   لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے

موجودہ ترقی سے خوشی کیوں نہ ہو پیدا   امید کے انجن کا بھپارا بھی بہت ہے
خوش ہیں قلمی وعدوں پہ جو ڈوب رہے ہیں   ان کے لیے تنکے کا سہارا بھی بہت ہے

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا   مصیبت جھیلنا اور ہادیٔ راہِ خدا بننا
مشینوں سے لپٹ کر اس قدر البتہ ممکن ہے   بباطن خود گھسٹنا اور بظاہر رہنما بننا

فنا کے سامنے ہم کیا، ہماری ہستی کیا   برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا
ہوا جو ہم نفسِ قطرہ بن گئی دم بھر   حباب نے بھی خودی کا مزا اٹھا ہی لیا

ہوئی تدبیر کفر آمیز سے بدتر مری حالت   بجا ہے مجھ کو اس تاریک باطن کا گلا کرنا
پریشانی کو افعی کر دیا زلفوں کو سلجھا کر   بلا کو سخت تر کرنا ہے اصلاحِ بلا کرنا

شوق اگر یہ ہے کہ ہوتی رہے صحت پیدا   بہ تکلف نہ کیا کیجیے رغبت پیدا

---

۶ SPEECH ، تقریر   ۷ ،، ،، اصلاح

گھر میں احساسِ ضرورت ہو تو بازار کو جا　　کر نہ بازار میں تو جا کے ضرورت پیدا

مُسلّم ہے جب سب کو اِلّا قلیلا　　تو ہر علم ہے ذہنِ انساں میں ڈھیلا
مگر مست کر جاتا ہے ہو کے پیدا　　اسی فیضِ فطرت سے کوئی رسیلا
مذاہب کی مستی، خلیفوں کی خوبی　　رہے گی پڑی یوں ہی دنیا کی ریلا

کہا بُقراط سے، دنیا میں کیوں آیا تو اے دانا!
کہا اُس نے کہ میں لایا گیا، مجھ کو پڑا آنا!
کہا، کیوں کر بسر کی عمر؟ بولا، ساتھ حیرت کے
کہا، کیا جانا؟ بولا، کچھ نہیں جانا، یہی جانا

بھلا سائنس کیا سمجھے نزاکت شوقِ عاشق کی
کہاں فوٹو سے وہ نکلا جو میرے دل میں ارماں تھا
لیا فوٹو نے زندہ عکس لیکن چشم بے جاں میں
ہماری آنکھ میں گو حسن تھا لیکن عکس بے جاں تھا

کُل واقعاتِ دہر کہاں ہسٹری میں ہیں　　فوٹو ہے صرف سطحِ پیشِ نگاہ کا
وہ بھی فقط خیالِ مصنف بقیدِ خود　　کیا بن سکے چراغ صداقت کی راہ کا

کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ طلسمِ ہستی　　اس کی قدرت کے کرشمے بھی عجب ہوتے ہیں
جان جب خاک میں پڑتی ہے تو ہوتی ہے خوشی　　خاک جب خاک میں ملتی ہے تو سب روتے ہیں

اک طرف تمکین ہے اور بے قراری اک طرف　　انتظامِ طبعِ انساں ہے خدا کے ہاتھ میں
ہے وہی دیوار میں مٹی بگولے میں جو ہے　　نیو کے پنجے میں وہ ہے، یہ ہوا کے ہاتھ میں

سب سعی میں مصروف ہیں، حاصل کی نہ پوچھو　　مغرب کے خضر ساتھ ہیں منزل کی نہ پوچھو
ہے بحرِ مباحث میں رواں کشتیٔ اُمید　　لہروں کی لچک دیکھ لو، ساحل کی نہ پوچھو

وزنِ نامحدود میزانِ نظر میں خوب ہے　　نام کی خاطر ترش کر تولہ ماشہ کیوں ہو
دینِ حق ہے آنکھ، زینت ہے تماشائے جہاں　　تم تماشائی رہو اکبرؔ، تماشا کیوں ہو

پڑھ دیا اکبرِ مغموم نے یہ شعرِ بلیغ　　جب کہا اُس سے کہ اس بزم میں کچھ تم بھی کہو
چین سے ساتھ تم اس وقت بھی رہ سکتے ہیں　　شرط یہ ہے کہ فقط پیٹ ہو اور آنکھ نہ ہو

تصویر اصل سے نہیں رکھتی مطابقت　　تصویر اِدھر کھنچی اور اُدھر تم بدل گئے!
تصویر ہیں کی فانی و ماضی پہ ہے نگاہ　　ذرّاتِ جسم حال کے سانچے میں ڈھل گئے

فلک کو ضد ہے کہ منت کروں پئے راحت　　مجھے یہ ہٹ ہے کہ ایذا سہوں اور اُف نہ کروں
وہ کہہ رہا ہے کہ ذلت سہو اور جاؤ چمک　　مری یہ آن کہ ایسی چمک پہ تُف نہ کروں

نئے مسلم کا اب کوئی نہ ماخذ ہے نہ مرکز ہے
یہ ہے کے دن کی شروس، اور وہ کب تک معزز ہے
جو مستی اس سے پیدا ہوگی دخترِ ہوگی وہ کس کی
یہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمہاری دخترِ رز ہے
نہ پھیلا پاؤں تو اتنے حیاتِ چند روزہ میں
سمجھ لے قبر میں تیرے لیے جا صرف دو گز ہے

ملانے دیں گے مذاہب کبھی نہ ایسے سُر　　کہ ہر طرف یہ سُنو "یا اخی! بیا و بخور"
مخالفت سے نہ باز آئے گی دنی دنیا　　فقط یہ زور سے دبتی ہے، یاد رکھ یہ گُر
انہیں کی بھینس ہے بھائی کہ جن کی لاٹھی ہے　　انہیں کا گاؤں ہے اکبرؔ جو بن سکیں ٹھاکُر
نجات کے لیے کافی ہے سینۂ صافی　　پیادہ پائی پہ خوش رہ الی الاجل انظُر
مگر زمانے کی رونق ہے طفل طبعوں سے　　اندھیری رات ہے اور پھلجھڑی کی ہے پھُر پھُر
اگرچہ نام خدا و رسول لیتے ہیں　　دراصل جزوِ شکم ہے یہ مذہبی عنصر

سامانِ عیش کچھ نہ رہا، اُڑ رہی ہے خاک　　اس غم میں اپنی جان مگر کیوں کروں ہلاک
میں نے تو جل کے کہہ دیا اس سال جون میں　　ٹٹی اگر نہیں نہ ہو، خس کم جہان پاک

ادبار کے ہیں یہ دن، اولوالعزم نہ ہو　　ہوتی ہے شکست، مائلِ رزم نہ ہو
رونقِ محفل کی اب نہیں ہے تجھ سے　　گوشہ ہی میں بیٹھ، عازمِ بزم نہ ہو

یا کس کے کمر پئے خوشامد باندھو　　یا حجرہ میں گھس کے بیٹھو، تہمد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے اے شیخ　　بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

غم سے عبرت کا نور حاصل ہے　　غم نہایت مجلّیِ دل ہے
غم سے مطلب وہ غم جو داغ بنے　　نہ وہ جو رسم کا چراغ بنے

کہاں کا شغل اور دھیان کیسا، خدا کہاں کا، کہاں کے وشنو!
عمل کے بدلے اسی کا غُل ہے، ببیں و بشنو، ببیں و بشنو
صدائے فونوگراف بشنو، ببیں تماشائے لیمپ برقی!
زسینۂ دل مجو تجلی، خموش کُن شمع ہائے شرقی

اک اُٹھا کشور کشائی کے لیے　　اک اُٹھا حق کی صفائی کے لیے
جنگ میں دنیا رہی القصہ غرق　　ہاں سکندر اور موسیٰؑ کا ہے فرق

اس کا گھوڑا جس کی کاٹھی　　بھینس اسی کی جس کی لاٹھی
زور بٹھا دے تھانے تھانے　　دُنیا دیکھے، دُنیا مانے!
تجھ کو تو ہے خالی چھینا　　اس سے اچھا ہر کو چینا

ملے SERVICE ، ملازمت

دسمبر میں وہ دوڑے بے تحاشا　　لگا ہونے ترقی کا تماشا!
زباں گنجینۂ لفظی میں مکھ لُٹ　　چلی اسپیچ کے میدان میں بگ ٹُٹ
ہوئی جب جنوری روکڑ کی طالب　　رپٹ لکھوا گیا قومی محاسب
مفاعیلن مفاعیلن فعولن　　مفاعیلن مفاعیلن فعولن

اتحادِ مذہبی اہلِ جہاں میں ہے محال　　بہرِ اصلاح انتظار اس کا ہے اک وہم و خیال
اختلافِ باہمی سے چاہیے قطعِ نظر　　ورنہ دخلِ غیر سے ہرگز نہ پاؤ گے مفر
لعن و طعن آپس میں سمجھو عقل و مردی کے خلاف　　عادتیں ہیں، ہسٹری ہے، سب کچھ تم رکھو معاف
ہاں عمل اس پر کرو جس کو کہ خود سمجھو صحیح　　محترز اس سے رہو جس کو غلط سمجھو صریح
زور سے دبتی ہے دنیا، یہ نہیں تو کچھ نہیں　　حکم سے چلتا ہے کنبا، یہ نہیں تو کچھ نہیں

ترجمے والے کرتے ہیں محنت　　پا لیتے ہیں اپنی اجرت
سینے ہو جاتے ہیں خالی　　بھرتی جاتی ہے الماری
دل کا کورس تو ٹھہرا مغربی　　لب پر اردو ہو یا عربی

میسّر جب آ جائے خوانِ نعیم　　تو لازم ہے شکرِ خدائے کریم
بہت ہے یہ سب جا کے کھا کر پلاؤ　　کہو تم، اشتہنن بھی ہو کچھ تو لاؤ

اُدھر بر گنڈ کا مُلّا ہے اِدھر مندر کا صوفی ہے　　نہ اس میں بے وقوفی ہے نہ اُس میں بیوقوفی ہے
اُدھر وہ بھی اُٹھاتے نازِ بیتابانہ حکومت کے　　اِدھر یہ بھی بجا لاتے ہیں رازِ پیرانِ طریقت کے
فلک کھولے گا ان پر جب کبھی میدان مردی کا　　تو قصہ ختم ہو گا ذہن کی آوارہ گردی کا

یہ تھا قولِ "حمید" اُترے تھے جب وہ تختِ شاہی سے
جو پیش آیا ہے، پیش آیا ہے تقدیرِ الٰہی سے
جو زارِ روس اُترے تخت سے، ان کا یہ شکوا تھا
انہیں نے دی دغا ہم کو، ہمیں جن پر بھروسا تھا!
انہیں قولوں نے کھینچا حیرت و حسرت کا نقشا بھی
انہیں سے ہے عیاں طرزِ خیالِ دین و دُنیا بھی

جمالِ صورت و معنی میں بحثِ ردّ و کد کیسی　　گل و بلبل کے حق میں کیا شہادت اور سند کیسی!
نہ دعوے کی ضرورت ہے نہ کوئی روک سکتا ہے　　کسی میں فطرتی جوہر جو ہو تو وہ چمکتا ہے

پسنجر[1] کی آمد رہی در کنار　　ہوا ڈاک گاڑی میں بھی انتشار
جو لی ریل والوں نے راہِ فرار　　ٹریفک کا ہے بند سب کاروبار
کئی دن سے سونی ہے ای۔آئی۔آر[2]　　یہ سچ کہہ گیا شاعرِ نامدار
بیک گردشِ چرخِ نیلوفری　　نہ انجن بماند و نہ انجینری

---

1. PASSENGER، مسافر گاڑی
2. E.I.R، ایسٹ انڈین ریلوے

پہلے کام اپنا پالیسی[1] کرتی ہے　　ہمدردی طبع بے حسی کرتی ہے
تنگی ہوتی ہے جب بہت خلقت پر　　فطرت خود اٹھ کے ثالثی کرتی ہے

دلی خواہش تو ہے بے شک کہ ایک اور ایک دو کہیے
مگر کہنے کو ہوں موجود سب کچھ، آپ جو کہیے
بتانِ مغربی کی مدح و ذم کی بحث نازک ہے
سکوت اس وقت اولیٰ ہے، نہ یس[3] کہیے، نہ نو[2] کہیے

نہ وہ جان کے ہیں نہ ہیں تن کے دشمن　　فقط ہیں ہمارے میاں پن کے دشمن
جو ہوں دوست اپنے، کہاں وہ میسّر　　غنیمت ہیں اس وقت دشمن کے دشمن

افعی سے کہا میں نے، مجھے تو نے ڈسا کیوں؟　　بولا کہ جلا لاٹھی کے تو بن میں بسا کیوں؟
پاؤں میں تو مہندی لگی ہے، لگی شوقِ ڈنر[4] کی　　حیران ہوں، اکبر نے کمر کو یہ کسا کیوں؟

اب حدیثِ لیڈری ہے عمرِ راوی ہو چکی　　آفتِ ارضی کی شدّت ہے، سماوی ہو چکی
پند ہے کونو عباد اللہ اخوانا کی خوب　　ووٹ بازی پر مگر یہ پند حاوی ہو چکی!

دل کا فطرت سے ہے تعلق　　مذہب کا اثر زبان پر ہے
چاہو جو شناخت نیک و بد کی　　موقوف یہ امتحان پر ہے

جو ایئرشپ[5] پر چڑھے تو ایسے کہ بس ہمیں ہیں، خدا نہیں ہے
جو ایئرشپ سے گرے تو ایسے کہ لاش کا بھی پتا نہیں ہے
حیاتِ دنیا کو آیتوں میں خدا نے لہو و لعب بتایا
کسی کو ہو کچھ تامل اس میں، ہمیں تو شبہ ذرا نہیں ہے

جو کچھ ہوا نتیجہ تھا اپنے ہی عمل کا　　کیونکر کہوں کہ ایسا ہونا نہ چاہیے تھا
اکبر کو آسماں نے عزلت گزیں بنایا　　محفل کے مستحق کو کونا نہ چاہیے تھا
حس دیکھ کر الم کا بے رحم ہنس رہا ہے　　بیدادگر کے آگے رونا نہ چاہیے تھا

عیّار چاہتا ہے دنیا کو مار لینا　　عمامہ چھین لینا، پگڑی اُتار لینا
گنگو نے لی ہیں لہریں، پیرو نے پریں جھاڑے　　جذبوں کو بھی ہے لازم شیخی بگھار لینا

ہوش میں لائی ہیں اب مایوسیاں　　نشۂ امید فرسودا ہو چکا!
عشق سے کہہ دو قیامت ہے قریب　　حسن کا سنتے ہیں پردا ہو چکا

عمر گزری تب کھلا دنیا کا حال　　اور ہی کچھ دل میں اب آنے لگا

---

1. POLICY، حکمتِ عملی
2. NO، نہیں
3. YES، ہاں
4. DINNER، شام کا کھانا
5. AIR SHIP، ہوائی جہاز

پہلے تنہائی سے گھبراتا تھا میں　　زندگی سے اب تو گھبرانے لگا

خوب یہ نکتہ ہے مشتاقِ خودی کے غور کو　　سالکوں کو بے خودی کا مرحلہ لابدُ رہا
تم نے اپنی خودی کو کر لیا حاصل مگر　　عالمِ نشو و نما میں مدتوں بے خود رہا

غم و آلام نے کیا پامال　　دل میں باقی رگِ جہندہ نہیں
سانس لینا ہی زندگی ہے اگر　　تو میں زندہ ہوں، ورنہ زندہ نہیں

ملی ہیں دل سے جو مجھ کو وہ نازک اطلاعیں ہیں
خدا ہے، اور فطرت صرف اس "ہے" کی شعاعیں ہیں
جوانی کی، بہارِ باغ کی، عمرِ دو روزہ کی!
مرے دیوان کی نظموں میں کیا کیا الوداعیں ہیں!

جو مشکلیں پڑی ہیں، محسوس کر چکا ہوں　　چارہ کوئی نہیں تھا، افسوس کر چکا ہوں
افسردہ دل میں میرے شاید ہی اب وہ آئے　　طولِ امل کو اکبر مایوس کر چکا ہوں

عقل کے کوچے میں میں نے پاؤں رکھا ہی نہیں　　میرے سینے میں دلِ ہوش آشنا تھا ہی نہیں
لوگ کہتے ہی رہے اکبر سمجھ سے کام لے　　کس کو کہتے ہیں سمجھ اس کو میں سمجھا ہی نہیں
بندۂ شیطاں کو حسنِ بت نے مفتوں کر لیا　　بندۂ اللہ نے اس سمت دیکھا ہی نہیں
ہر قدم پر یاں دلِ مومن کو کھٹکا ہی رہا　　یعنی پھندوں کے سوا دُنیا میں کچھ تھا ہی نہیں

رفیقِ شیطاں چمک گئے ہیں، معینِ آدم دبک گئے ہیں
سُنائیں کیا تم کو قولِ فیصل کہ غور کر کر کے تھک گئے ہیں
ہمارا چلنا وہ رینگنا ہے جو کیچوے بھی ہنسیں بجا ہے
مگر زباں پر وہ زمزمے ہیں کہ سُن کے بلبل پھڑک گئے ہیں

انقلابوں پہ نظر جن کی ہے، وہ شاد نہیں　　آج تو شاد وہی ہیں جنہیں کل یاد نہیں
یہ تو سمجھے کوئی قدرت ہے جہاں کی خالق　　مگر افسوس یہ ہے، عہدِ ازل یاد نہیں
وضعِ سابق کے تجسس میں ہُوا ہوں مایوس　　گھر جو اس قطع کے کچھ ہیں بھی تو آباد نہیں
کہہ دو مرغانِ چمن سے کہ ہوا اور ہے اب　　زمزمے جن کو خوش آئیں یہ وہ صیاد نہیں

فلک دبے گا نہیں اور زمیں ہٹے گی نہیں　　بغیر رنج و الم زندگی کٹے گی نہیں
سمجھ رہا ہوں، بڑھیں گی مصیبتیں لیکن　　تمہارے ساتھ محبت مری گھٹے گی نہیں
اُمید نے تو کھڑی خوب کی ہیں دیواریں　　زمانہ کہتا ہے یہ چھت کبھی پٹے گی نہیں

افسردگی پر اس کے لگا دل جو تڑپنے　　کل شب کو کہا میں نے یہ محبوب سے اپنے
گو پاس ترے رہ نہ گئی دولت و حشمت　　ہے حسنِ خداداد وہی اور وہی صورت
سونے ہی کی بدھی یہ فقط مجھ کو نہیں عشق　　پھولوں کی بھی بدھی ہے ترے سینے پہ دلکش
جو دل کو ترے پھولوں کی بدھی کو نہ پوچھے　　برباد ہو ایسا کوئی اودھی کو نہ پوچھے!

دیکھ لو حالِ مرا، آہ کی حاجت کیا ہے　　دو اور اک تین پہ واللہ کی حاجت کیا ہے
بیٹھیے انجن کے بس اب ہو لیں مسلماں بھائی　　اب انہیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے
دادِ قرآں کی نہ دو بھائی، عمل اس پہ کرو　　پیشِ درگاہِ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

علم و ایمان بھی ہو اور موقعِ دل خواہ بھی ہو　　یعنی ہو آنکھ بھی اور شمع بھی ہو، راہ بھی ہو
یہی شرطیں ہیں سپہ منزلِ مقصود اکبر　　سعی بھی چاہیئے اور رحمتِ اللہ بھی ہو

بے قراری نے جو پائی ہے اُبھرنے کی جگہ　　دل کو ملتی نہیں سینے میں ٹھہرنے کی جگہ
ہو گا جینے کے لیے اور ہی عالم کوئی　　اس میں کچھ شک نہیں، دنیا تو ہے مرنے کی جگہ

باہم یہ حریفانہ روش مٹ نہیں سکتی　　پہچان مگر حربۂ اسلام کُشی کو
گو شرک سے اخلاص تو ہو نہیں سکتا　　ممکن ہو تو ہاں، روک دے دشمن کی خوشی کو

دورِ فانی میں مزا کیا ہے خیالات کے ساتھ　　کہ خیالات بدل جاتے ہیں حالات کے ساتھ
دیکھ کر حضرتِ اکبر کو خدا یاد آیا　　یہ مصیبت کا ہجوم ایسے کمالات کے ساتھ

نظر وہی ہے خیالِ حق، بس حدودِ قدرت کے ساتھ گُم ہو
وگرنہ کتنا ہی علم رکھو، قیاس ظلمت ہے اور تُم ہو
مجھے کچھ اس میکدے میں ساقی نہیں ہے شرطِ نمود و زینت
میں بے تکلف ہوں پینے والا، سبو ہو، ساغر ہو یا کہ خُم ہو

شیخ صاحب کو یہ صدمہ ہے کہ نیٹو ہو گئے　　میرزا خوش ہیں کہ سر پہ آ گیا کونسل کا تاج
میرزا کا نام رہ سکتا ہے قائم سعی سے　　شیخ جی کے رنج کا اللہ ہی جانے علاج

انگلش کو خدا نے بادشاہی دی ہے　　رفتارِ زمانہ نے گواہی دی ہے
ممدو بھی لگاتے ہیں مدریا کا دم　　ہندو کو چلم بھی لالہ ساہی دی ہے

شوقِ لیلائے سِول سروس نے مجھ مجنوں کو　　اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں　　پھینکیے اب کوٹ کو، تہ کیجیے پتلون کو

اور ہی تھی ساخت تیروں کی، نشانہ اور تھا
یہ زمانہ اور ہے اور وہ زمانہ اور تھا
تھی نہ یہ لیڈری، رقاصی، نہ یہ قانونِ غرب
سُننے والے اور تھے اس وقت، گانا اور تھا

ہوٹلوں کو کھتا مبارک ہو　　ریل کو یہ جتھا مبارک ہو
گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا کل رات　　قوم کو یہ "نہ تھا" مبارک ہو

لہ NATIVE دیسی باشندہ

مغربی نسیمِ نفس کشا شاید آئے گی　　مژدہ جوازِ نقلِ حکومت کا لائے گی
جن کے خیال و حال کو ہے ارتقا نصیب　　سینوں میں ان کے غنچۂ دل کو کھلائے گی

خاموش بڑائی کرنے والے ہیں کھڑے　　اس وقت تو وہ بڑا جو صاحب سے ڈرے
کہتے ہیں، ابھی مصیبتوں میں پڑ جائیں　　کب تک یہ ڈریں کوئی مصیبت نہ پڑے

ہیں قومِ دماغ میں مرے سہم بہت　　سُنیے یہ خیال جس میں ہے وہم بہت
قومی مجلس میں اب سخن فہم ہیں کم　　دربار میں گو کہ ہیں گزٹ فہم بہت

جو حسرتِ دل ہے وہ نکلنے کی نہیں　　جو بات ہے کام کی، وہ چلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت، دل کو سنبھالے رکھیے　　قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

مُرشد نے کہا اُٹھیے حضرت، معنی نہ سہی صورت تو وہ ہو
گھر چھوڑ کے بیٹھے بنگلے میں، طاقت نہ سہی، زینت تو وہ ہو
اس نقش کی کہ دو خانہ پڑھی، تقدیر ہے گی پھر نہ بڑی!
راس آئے گی تم کو بادہ خوری، مجلس تو وہ ہو، صحبت تو وہ ہو

بگو بہ سیٹھ کہ او را بھرم نخواہد ماند　　بگو بہ برہمن او را دھرم نخواہد ماند
من ارچہ در نظرِ یار شرمسار شدم　　رقیب نیز چنیں محترم نخواہد ماند

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریقِ نوم　　تھے مبتلائے حج و صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم!
دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا　　عشقِ بتاں شباب میں، پیری میں عشقِ قوم

تھا تصورِ مالکِ آزادیٔ رندانہ ہوں　　لیکن اب بالکل اسیرِ انتظامِ خانہ ہوں
پہلے تھا اُس بُت کے گرد، اب ساتھ ہے بچوں کی فوج　　عشق میں دیوانہ تھا، اب فکر میں دیوانہ ہوں

مہمانِ فلک کہاں سکوں پاتا ہے　　آسودہ جو ہیں، انھیں بھی ٹہلاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت　　ظاہر ہے صریح، پیٹ دوڑاتا ہے

دُھن نوکری کی ہے، نہ پری ہے نہ حُور ہے　　اب فکر پاس کی ہے، قیامت تو دُور ہے
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ روز　　امیدِ بے اصول سے اب دل نفور ہے

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا　　چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبرؔ　　قسمت ہی نے ہر طرح سے ہم کو لوٹا

اک روز بھی تارکِ تگ و دو نہ ہوئے　　فارغ از بحثِ گندم و جو نہ ہوئے
جمعیتِ دل کہاں حریصوں کو نصیب　　ننانوے ہی رہے کبھی سو نہ ہوئے

غرض اس سے نہیں مجھ کو، بنی ہے یہ زمیں کیونکر؟
یہ فرمائیں، میسّر آئے گی نانِ جویں کیونکر؟
یہی پرسش ہے ہر سُو آپ بی اے ہیں کہ ایف اے ہیں؟
یہ ہے جب رنگ دنیا کا تو سیکھیں علمِ دیں کیونکر؟

جس بات کو مفید سمجھتے ہو، خود کرو　　اوروں پہ اس کا بار نہ اصرار سے دھرو
حالات مختلف ہیں، ذرا سوچ لو یہ بات　　دشمن تو چاہتے ہیں کہ آپس میں لڑ مرو

ہونی ہے نصیب تلخ کامی تم کو　　محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام　　ہے اپنے ہی نفس کی غلامی تم کو

رغبت جو دلائی وسعتِ مشرب کی　　شامل اس میں غرض تھی بیشک سب کی
لیکن تبدیلِ وضع و نقلِ فرنج　　ہے بعض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے　　خالص طاعت عروجِ رُوحانی ہے
توہین اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ　　یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

راجہ[1] صاحب کو خطابِ سی۔ایس۔آئی ہو گیا　　مرتفع اب اور بھی اوجِ رسائی ہو گیا
راجہ صاحب میں ہے ایسی دلکشی اخلاق کی　　جو ملا اُن سے، بہ دل ان کا فدائی ہو گیا

جس سے جو بن پڑے، وہی کام کرے　　صاحب بنے، کھائے، کھیلے، آرام کرے
لیکن رہے قومی بھائیوں کا ہمدرد　　ہر حال میں ادّعائے اسلام کرے

ہمدرد ہوں سب، یہ لطفِ آبادی ہے　　ہمسایہ بھی ہو شریک، تب شادی ہے
تسکین ہے جبکہ ہو خدا پر تکیہ　　قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

میں ہوں یا آپ جنابِ برہم[2]　　دنیا کی روش سے سب ہیں درہم برہم
بیتاب ہے زخم ہائے دل سے مشرق　　یا رب تری رحمتیں بنیں اب مرہم!

تجھ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں؟　　کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں؟
داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے!　　آخر تری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں!

جس بات میں تم شکستِ ملّت سمجھو　　اس میں شرکت کو اپنی ذلّت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا　　قومی غیرت کی اس میں قلّت سمجھو

صاحب سے رُکے تو راحتوں کو ترسے　　شوکت[3] سے اگر پھرے تو لعنت برسے

---

[1] غالباً راجہ سر محمد علی خاں تعلقہ دار محمود آباد مراد ہیں۔
[2] حکیم برہم صاحب، ایڈیٹر ہفتہ وار مشرق، گورکھپور
[3] مولانا شوکت علی، تحریک خلافت کے نامور لیڈر

شانِ سابق سے یہ مایوس ہوئے جاتے ہیں   بت جو تھے دیر میں، ناقوس ہوئے جاتے ہیں

بندوں کے وہم و زور کی اک حد ہے اور وہ بھی ہیچ
کرتا ہے خود وہ اپنی خدائی کا انتظام
ان ممبروں میں کوئی کدورت نہ ہو بہم!
آپس میں بھی کریں یہ صفائی کا انتظام

اس کو سنتا ہوں، اس پہ جھکتا ہوں   کوئی دعوے ہو یا کوئی درگاہ!
ایک اور اک دو مگر زباں پر ہے   دل میں ہے لا الٰہ الا اللہ

مشرق میں ولادت پر راضی نہ تھے یہ بندے   چارا ہی مگر کیا تھا فطرت جو یہاں جن دے
جب چاند کی چالاکی گھٹ بڑھ میں نظر آئی   تقدیر نے چمکایا، سورج نے دئیے چندے
جو جس کے مناسب تھا اگر دوں نے کیا پیدا   یاروں کے لیے عہدے، چڑیوں کے لیے پھندے
خم ہو کے ہلال آیا، گردوں نے کہا حضرت!   ہو جائیے گا فربہ، چکر تو لگیں چندے

یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو   عرض کی میں نے ہلاکت کی طرف
پوچھا، اس جانب سے جاتا ہے کون؟   میں نے دیکھا اس کی صورت کی طرف

سابق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے   کل آج نہ تھا، آج کو کل کر نہیں سکتے
الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے   صوفی بھی بہت کود اچھل کر نہیں سکتے

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی   کالج میں آ کے کانووکیشن[1] کو دیکھیے
لیموئے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے   اب کاغذی ترقی نیشن[2] کو دیکھیے

دل نے یہ کہا کہ دین کے جو نہ ہوں دوست   ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض
میں نے کہا کہ خیر بہتر ہے مگر   اب شیخ کو بھی ہے چار پیسوں سے غرض

سوئے فلک چلے جو غبارے میں بیٹھ کر   منہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مڑ چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج   شکرِ خدا کہ اب تو یہ ٹٹو[3] بھی اڑ چلے

بیلڈ پہ شیخ جی پکارے کہ ہم تو اب بھی مطیعِ رب ہیں
کہا کسی نے یہ مسکرا کر، بڑے میاں تو بڑے غضب ہیں
گریجویٹ ایک بڑھ کے بولا، حضور پروا کریں نہ ان کی
ضعیف و خستہ، خراب و رسوا، یہ میہمانِ دو چار شب ہیں

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے   ہرچہ از باپ مے رسد نیکوست

---

[1] CONVOCATION، جلسہ تقسیم اسناد [2] NATION، قوم
[3] ٹٹو، چھوٹا گھوڑا

ہو گئی اب خیال کی اصلاح   ہرچہ از آپ مے رسد نیکوست

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے   اونٹ کے سو لغات جانتے ہیں
ہیں مگر اونٹ پر بہیں وقت بعض   کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

اکبر کو ہے الفتِ بتانِ گمراہ   کرتا ہے انہیں کے وصف میں نامہ سیاہ
احباب سنیں جو اس سے ایسے اشعار   تردید کریں کہ کہیں سبحان اللہ!

دخل ان کو نہیں عشق و محبت کے فنوں میں   بے ہمت و بے سوز یہ جائیں ہیں تنوں میں
بے شمع کے پروانے ہیں واللہ یہ اکبر   رقصاں ہی انہیں دیکھ لو بس انجمنوں میں

تہمد پہ ہے شبہ و حقارت کی نظر   پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی برہنہ پھریے اکبر   شاید پڑ جائے ان کی رغبت کی نظر

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام   حسن کی قید نہیں، بس ہے مساۃ سے کام
یاں تو برہان کے افسانوں سے دل بریاں ہے   بابو ہی اچھے کہ ان کو ہے فقط جات سے کام
کہتے ہیں، ہم کو جو چندہ دے مہذب ہے وہی   اس کے افعال سے مطلب ہے نہ عادات سے کام

بتوں نے وہ ترقی کی جمالِ روح پرور میں   کہ پھر ان کو جگہ دی قوم نے اللہ کے گھر میں
یہ معنی ہیں کہ پھر سب دل سے عاشق ہو گئے ان کے   مزا ہرّے[1] میں ہے اب وہ جو تھا اللہ اکبر میں

نئے شیخوں کو کفر سے پاک تریں یہی کہتی تھی گوہرِ زہرہ جبیں
یہ موئے تو صریح ہیں دشمنِ دیں، ارے ان کا تو کوئی خدا ہی نہیں
نئی سڑکوں پہ چل کے تھکیں گے بہت، بڑے لوگوں کے ہو کے تھکیں گے بہت
یہ کمیٹیوں میں تو بکیں گے بہت، وہ سجدے میں شوق دعا ہی نہیں

رہ گیا دل ہی میں شوقِ سایۂ الطاف خاص   مجھ کو آنے کی اجازت دی نہیں بیڈ روم[2] میں!
کھانے کے کمرہ سے رخصت کر دیا بعد از ڈنر[3]   تھیں فقط چھریاں ہی اور کانٹے مرے مقسوم میں

الفت نہ ہو شیخ کی تو عزت ہی سہی   مرشد نہ بناؤ ان کو، دعوت ہی سہی
بگڑا ہے جو دل، زبان ہی کو روکو   رونا جو نہ آئے، غم کی صورت ہی سہی

ٹامی[4] کے آگے ٹیمز[5] کا دلچسپ پاٹ ہے   گنگو کی جاں فزائی کو گنگا کا گھاٹ ہے
ڈوبے ہوئے ہیں یہ بھی مگر اپنی بات میں   پیرو بھی بہہ رہے ہیں خیالی فرات میں

کہتے ہیں وہ کہ اکبر کچھ باولا ہوا ہے   مذہب میں بات کیا ہے، مسجد میں کیا دھرا ہے؟

---

[1] HURRAY، واہ وا، شاباش [2] BEDROOM، خوابگاہ [3] DINNER، شام کا کھانا
[4] TOMMY، انگریز سپاہی [5] THAMES، انگلستان کا مشہور دریا۔

کیا دین کے سرمے سے کھلے چشمِ بصیرت — دنیا ہی کی تحصیل پہ ہو جب نظرِ قوم
قائم کروں کیا رائے کمر بند کی نسبت — معلوم بھی تو ہو کہ کہاں ہے کمرِ قوم!
اعزاز و اثر کی عبث امید ہے تجھ کو — حالت تو ہے یہ پیش، درِ غیر و سرِ قوم
نقطے تو محیط اپنے دکھاتا ہے ہزاروں — مرکز پہ مگر کوئی نہیں نامورِ قوم

بھائی اکبر نے پڑھ دیا یہ شعر — جب کہا ان سے، آپ کچھ تو کہیں
نام ہندو کا، کام صاحب کا — شیخ جی بھی گزٹ[۱] میں بیٹھ رہیں

اب تو جاگو ایشیائی بھائیو — نیند میں غفلت کی صدیوں سو لیے
ہو مبارک جستجوئے خضر انہیں — ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لیے
اب تو تھیٹر[۲] میں ہنسیں گے جا کے خوب — خانقاہوں میں تو برسوں رو لیے

کیوں سر پہ اپنے زحمتِ بے سود لیجیے — کونسل کے بدلے گھر میں اچھل کود لیجیے
کھا پی کے گھر میں بیٹھیے اور گائیے بھجن — کاشی سے جل، پراگ سے امرود لیجیے
ہو وضع اپنے دیس کی، مال اپنے دیس کا — بہتر ہے راہِ منزلِ بہبود لیجیے

مقصود اگر یہ ہو اکبر، محفوظ رہو، آرام کرو
موقع کے مطابق بات کہو، طاقت کے مطابق کام کرو
کہہ دو لِلّٰہ بزرگوں سے کہ زار ہیں ہم، مجبور ہیں ہم، ناچار ہیں ہم
فتووں پہ مصیبت کیوں آئے، اسلام کو کیوں بدنام کرو!

لذت چاہو تو وصلِ معشوق کہاں — شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں؟
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھہرے — خیر اس کو بھی مان لیں تو بندوق کہاں؟

اونچے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف — قسمت کا یہ دیکھتے ہیں پھیر شریف
اکبر یہ مجتبیٰ نے دی خوب صلاح — چل دیجیے بھائی صاحب اجمیر شریف

چھوڑ لٹریچر کو، اپنی ہسٹری کو بھول جا — شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر، اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے، کوفت سے کیا فائدہ — کھا ڈبل روٹی، کلرکی کر، خوشی سے پھول جا

دربارِ سلطنت میں ہے کبر و خودپسندی — مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی
رنڈی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر — لیمونیڈ[۳] ہے اور وہسکی[۴]، بندہ ہے اور بندی

کعبہ میں جلوہ گر وہی، دیر میں مستتر وہی — لیتے ہیں ہم خدا کا نام، کہتے ہیں رام رام بھی
بولی وہ مس کہ شیخ جی پہلے مرے حریف تھے — اب سمجھ ان کو آ گئی، دوست بھی ہیں، غلام بھی

مل کا آٹا ہے، مل کا پانی ہے — آب و دانے کی حکمرانی ہے

۱ GAZETTE، سرکاری جریدہ — ۲ THEATER، تماشا گاہ
۳ LEMONADE، لیمونیڈ — ۴ WHISKY، ایک تیز شراب

اک ادا سے کہا مسوں نے کم آن[۱] — تیر کی مجھ میں اب روانی ہے

دن تو جنات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے — رات پریوں کی خوشامد میں گزر جاتی ہے
سلف ریسپکٹ[۲] کا وقت آئے کہاں سے اکبر — دیکھ تو غور سے دنیا کو، کدھر جاتی ہے!

یاروں کو فکرِ روزِ جزا کچھ نہیں رہی — بس کام ہے انہیں رہِ عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل — بائیسکل پہ گزریں گے ہم پلِ صراط سے

آئے اگر ملے جو ہے نام و نمود میں — کیا حرج زندگی ہو اگر حالِ زشت میں
دوزخ کے داخلے میں نہیں ان کو عذر کچھ — فوٹو کوئی لگا دے جو ان کا بہشت میں

مغرب نے سایہ ڈالا بتوں پر اثر کے ساتھ — ساری بھی ان کی ہو گئی غائب کمر کے ساتھ
ہستی ہی تیری کیا ہے، جو ہو ان کا ہم سفر — موجوں کا اے حباب نہ دے تو ابھر کے ساتھ

احتمالِ فتنہ ہے ہر مجمعِ ملت کے ساتھ — گشت کرتی ہے پولیس بھی شیخ کی جنت کے ساتھ
چھوڑ کر صحنِ حرم اکبر ہے محوِ طوفِ دیر — عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کے ساتھ

ہم کو آبرو کی کجی نے مارا — شیخ صاحب کو جی نے مارا
خانۂ دیں ہوا القصہ تباہ — آئی آواز کہ اِنّا لِلّٰہ!

بت کی سی اگر کہیں تو اللہ کہاں — اللہ کا نام لیں تو یہ واہ کہاں!
خاموش رہیں تو دل کو بے چینی ہو — بھاگیں تو سکت کیسی ہے اور راہ کہاں!

مرشد کی طلب میں جو میں اٹھا تو یہ بولے — اک پیرِ ڈز خوردہ و ہر سمت دویدہ
مژدہ سمجھ ان کو جو پہنچے ہوں خدا تک — مرشد ہیں وہی جو ہیں گورنمنٹ رسیدہ

خواہ صاحب کو تم سلام کرو — خواہ مندر میں رام رام کرو
بھائی جی کا فقط یہ مطلب ہے — جس میں روپیہ ملے وہ کام کرو

ان عزیزوں کا عمل اکبر محلِ غور ہے — کہہ رہے کچھ اور ہیں اور ہو رہا کچھ اور ہے
آفیشل[۳] حالت یہ ہے ان کا مدارِ زندگی — مذہبی ترکیب باقی ہے نہ سوشل طور ہے
قیمتِ کوثر سے بڑھ کر دیتے ہیں ٹھرے کے دام — بے حسی کا میکدہ ہے، غفلتوں کا دور ہے

سکہ بٹھا رہا تھا قرآں جب عرب پر — اس وقت پڑ رہی تھی بنیاد سلطنت کی
اس وقت میں ہو موزوں کیا مذہبی ترانہ — جب پاؤں شیخ کا ہے اور سر ہے انگلی گت کی

خامشی سے نہ تعلق ہے نہ تمکین کا ذوق — اب حسینوں میں بھی پاتا ہوں میں اسپیچ کا شوٗ

۱ COME ON، آئیے — ۲ SELF-RESPECT، عزتِ نفس، خودداری
۳ OFFICIAL، سرکاری

دونوں صاحب ہیں محبِّ قوم، کس کو ووٹ دوں!
پیش کر سکتا ہوں کیونکر کوئی دعویٰ بے دلیل!
بس دعا میری یہ ہے، اللہ فرمائے عطا
کامیابی ایک کو، اور ایک کو صبرِ جمیل!

جمعیتِ عاقلانِ قوم اچھی ہے   گلہائے سخن کے باغ کھل جائیں گے
کہتا ہے یہ معترض کہ ملنا کیا ہے   کچھ اور نہیں تو دل ہی مل جائیں گے

باقی ہیں تو ہیں تجارت سے عروج   بس یہی ان کے لیے معراج ہے
ہے تجارت واقعی اک سلطنت   زور یورپ کو اسی کا آج ہے
لفظ تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت   دیکھ لو تاجر کے سر پہ تاج ہے

سر جھکا کر اُن کی سیوا کر تو گردن کو نہ تان   برہمن یورپ کو مان اور ایشیا کو شودر جان
وزن لائلٹی[1] پہ نازاں ہیں مرے ارکانِ شعر   فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

گپیں اُڑانے کو اک وادیٔ عمل تو ہے   ہمارے واسطے اک ناز کا محل تو ہے
الٰہی رکھ تو سلامت ہمارے لیڈر کو   کہ بزمِ قوم میں اس سے چہل پہل تو ہے
چلا ہی لیں گے کسی کھیت میں بحکمِ حضور   خدا کے فضل سے محفوظ اپنا ہل تو ہے

بھائی صاحب تو یہاں فکرِ مساوات میں ہیں   شیخ صاحب کو سُنا ہے کہ حوالات میں ہیں
قوم کے حق میں تو اُلجھن کے سوا کچھ بھی نہیں   صرف آنر کے مزے ان کی ملاقات میں ہیں
سر بسجدہ ہے کوئی اور کوئی تیغ بکف   اک ہمیں اس رزولیوشن[2] کی خرافات میں ہیں
ہوش میں رہ کے نقائص کرو دُور اپنے   مغربی لوگ تو مست اپنے کمالات میں ہیں

جو بات صاف ہے، کہتا ہوں بے دریغ اس کو   نہ مجھ کو کام ہے ٹھکرائی سے، نہ شیخی سے
زیادہ زینتِ دنیا بھی ہے فساد انگیز   جنونِ جنگ ہے پیدا اسی ترقی سے

مسلم کو فقط ولولہ ہے رائے زنی کا   انگریز کو سودا ہے مشیخت شکنی کا
صدیوں سے یونہی وقت ہُوا کرتا ہے ضائع   تقویٰ کی طرف رُخ نہیں دنیائے دنی کا
اس کا یہ نتیجہ ہے، بن آئی ہے بُتوں کی   سوسن کو دباتا ہے شجر ناگ پھنی کا

ذہن میں آیا یہ مضمونِ تفکر آفریں   جب حقیقت پر نظر کی، وہم کو کم کر دیا
دیر کو شکرِ کلیسا چاہیے کرنا ادا   سامنے بُت کے اُسی نے شیخ کو خم کر دیا

آپ نے واپس نہ کیا کیوں خطاب   بیٹھے ہیں گوشے میں کیوں مغموم دست
کہنے لگے اس کا اثر ہو گا کیا!   ناز براں کن کہ خریدارِ تست

چمکا ہے بہت پولٹیکل اب اثرِ قوم   ہے قوم تو بے پر، مگر اڑتا ہے زرِ قوم

---

۱ LOYALTY، وفاداری   ۲ RESOLUTION، قرارداد

کام تو جو کچھ ہے، وہ ہے آپ کا   نام ہی نے صرف اُبھارا ہمیں
درد کسی کا نہ رہا دل میں اب   خوب دیا تم نے بھپارا ہمیں
قوم کی تفریق میں ٹکڑے اُڑے   ملک سے اب کیا ہے سہارا ہمیں
ہو تو: ہے حسرتِ دنیا کا حال   یاد ہیں اسکندر و دارا ہمیں
جلوہ دکھانے کا انہیں شوق ہے   کاش مبارک ہو نظارا ہمیں

جو حکم وَاعتصموا ہم کو ہے بحبلِ اللہ   بتائیے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں؟
ادب میں دین کے اور مسجدوں کی صف میں ہے   کہ لیگ میں ہے وہ اور پانیر کے کالم میں؟

وہ دلی احباب، وہ مسجد کے ساتھی اب کہاں   دشمنوں کے دشمنوں سے گپ اڑایا کیجیے
ٹھیکہ داروں نے کیا نیلام قومی رُوح کو   چھاؤنی میں اب فقط روٹی کمایا کیجیے
مر رہا ہوں، مجھ کو بدخواہی کی قوت ہی نہیں   خیر خواہی آپ ہی ہر دم جتلایا کیجیے
عیش کا بھی ذوق، دینداری کی شہرت کا بھی شوق   آپ میوزک ہال[3] میں قرآن گایا کیجیے

زمیں سے فیضِ نامحدود کا کیوں کر تحمّل ہو
ترقی دنیوی یہ ہے کہ اوروں کو تنزّل ہو
یہی بنیاد ہے دنیا میں جور و ظلم و غفلت کی
تو اس سے محترز رہنے میں کیوں مجھ کو تامّل ہو
طلب دنیا کی ہو مگر اتنی کہ طاعت ہو سکے رب کی
مصیبت ہے یہ شرط اس میں کہ شوکت ہو تجمّل ہو
حکومت کی طلب کا بھی یہی مقصود ہے اصلی
کہ روحانی عقیدوں سے خلائق کو توسّل ہو
ترقی ہے جو رُوحانی، وہی ممدوح ہے اکبر
کہ ہو ہر جزو کو آسودگی اور شرکتِ کُل ہو

کرتب دکھائیں ممبری کے کیونکر   جو پیرِ ضعیف قوم مفتوح ہیں
بی لیگ سے کہہ دے کوئی حالت میری   کیوں مجھ سے خفا جنابِ ممدوح ہیں

ان کی کل کوششیں تھیں پولٹیکل[4]   اس کو خالق کی جستجو نہ کہو
کمپ کے شیخ کو کہو مرحوم   قَدَّسَ اللہ سِرَّہٗ نہ کہو

وہ ہیں ذی علم و معزز جن کا ارشاد و عمل
طالبانِ حق کے دل کی کر رہا ہے رہبری
بعض اسپیکر[5] نظر آتے ہیں تم کو، یہ تو ہیں
نوکری اور ممبری کی منڈی کے چودھری

---

۳ MUSIC HALL، گانے بجانے کا کمرہ
۴ POLITICAL، سیاسی   ۵ SPEAKER، مقرر

بہتر ہے پڑا رہے توکل بخدا   باہر رکھے قدم نہ اپنے گھر سے

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں   ہیں مست نگاہِ بتِ دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو   چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

دشوار ہے مستحقِ آنر[1] ہونا   کچھ سہل نہیں علی برادر ہونا
ہاں سب یہ دعا کریں کہ ان بندوں کو   آسان ہو پیر اور پیمبر ہونا

شیخ جی کا وقت آخر ہو گیا   جان بل[2] کا حال ظاہر ہو گیا
کیا تماشا ہے کہ چپ مارا گیا   اور جو بولا، وہ کافر ہو گیا

خوش آیا آپ کو دھوتی میں پرشکن رہنا   ہمیں پسند ہے پتلون کا بٹن رہنا
رہیں نمود کی باتیں، سو اس میں فرق نہیں   نصیب دونوں کو ہے صدرِ انجمن رہنا

دھرم کی رکھ لے اب بھگوان تو لاج   ہمارا ہند ہو دنیا میں سرتاج
ہوائیں پھر وہی ہوں اور وہی اَن   وہی گائیں، وہی بنسی، وہی راج

مذہب واپس، خیالِ جنت واپس   مسجد کا وہ حق، وہ نذر و دعوت واپس
حضرت نے یہ صاف کہہ دیا سب سے کہ میں   کرنے کا نہیں خطاب و خلعت واپس

عالم بنیے تو کیجیے مات کا شوق   مسٹر بنیے تو ہو مساوات کا شوق
چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھوں گا   مجھ کو بھی اب ہوا ہے اسی بات کا شوق

یہ فتوائے نیچر ہے کہ ہم بھی ہو رہیں اُن کے
زر اُن کا، زور اُن کا، علم اُن کا، سلطنت اُن کی
علائیں کس طرح سفر، صدر پہ نزلہ ہے مذہب کا
بہت اونچے سروں میں بج رہی ہے اب تو گت اُن کی
مگر قومی اطبا دُور ہی کر دیں گے یہ نزلہ !
قوی اطفال کو کر دے گی آخر تربیت اُن کی

حدیں قوموں کی قسمت کی کیا کرتا ہے یہ قائم   زمانہ دیکھ کر چلیے طریقِ زندگانی میں
محبت کس طرح اس قوم میں باہم ہے قائم   زبان صرفِ غیبت، دل ہیں ڈوبے بدگمانی میں

ملا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی   نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی
میں قوم کی فربہی کا مشتاق نہیں   بس جانیے، میری عقل موٹی ہی سہی

روح پرور نہ سہی، نشہ ذرا تیز تو ہے   نوجوانوں کے لیے ولولہ انگیز تو ہے!
نہ سہی معنیٔ قومی، فقط الفاظ سہی   چند احباب کا اک شغلِ دل آویز تو ہے

مغالطے میں پڑے ہیں ہمارے اہلِ وطن   کہ قوم کے لیے مذہب کا کوئی کام نہیں
قوامِ قوم کا مذہب ہی ہے زمانے میں   کہاں کی قوم جب اس کا کوئی قوام نہیں

دم تم ہیں جب خدا ہی کی حمد و سپاس سے   دینِ خدا جدا نہ کرو اپنے پاس سے
عہدے جو سو پچاس کو اچھے ملے تو کیا   قائم نہ ہو گی قوم کبھی سو پچاس سے

جن بزرگوں کی طلبِ صادق و دیرینہ ہے   ان کو الطاف گورنمنٹ کا گنجینہ ہے
جن بزرگوں کو نئی راہ میں ہے سعی کا شوق   قوم سے اُن کو بلا واسطہ لینے کا ہے ذوق
دونوں راہوں میں ہے عزت بھی، رکاکت بھی ہے   موقعِ مدح بھی ہے، وجہِ شکایت بھی ہے
مستند دونوں ہیں، ہو چال جو اعزاز کے ساتھ   دونوں رہ سکتے ہیں، آسودگی و ناز کے ساتھ
نہ اُچھل کود کا حاصل، نہ تعلق کا اثر   بجز اس کے گھٹو زور میں باہم لڑ کر
خوب ہے وہ جو قناعت کی طرف سالک ہے   کس مپرسی ہے تو ہو، اس کا خدا مالک ہے
امرِ طاعت ہی ہے اللہ کے پیاروں کے لیے   ماسوا اس کے جو ہے، شغل ہے یاروں کے لیے
طلبِ رزقِ ضروری ہے تو مجبوری ہے   اس سے آگے ہے جو کچھ، اس سے مجھے دُوری ہے
ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے   بن بلائے مرے وہ آپ چلے آئیں گے

درخت جڑ پہ ہے قائم تو استوار بھی ہے   کبھی خزاں ہے اور اس پہ کبھی بہار بھی ہے
خلاف اس کے کرے گی خرد جو بے صبری   نہیں اٹھانے کا نتیجہ حکومتِ جبری
جو کوئی چاہے کہ قائم کرے نئی بنیاد   تو برگ و بار ندارد، درخت بھی برباد
بنائے عظمتِ قومی ہے فطرتی اے یار   اسی بنا سے ہے وابستہ ہر خزان و بہار
خیال و وقعتِ ملت کا جس پہ ہے غالب   طریقِ راحتِ ذاتی کا وہ نہیں طالب
طریقِ حکمت و تزئیں ہر ایک رنگ میں ہے   نہ سمجھو یہ کہ فقط مغربی ہی ڈھنگ میں ہے
نگاہِ غور کرو سوئے ٹرکی و ایراں   نئی بنا پہ حریفوں نے کر دیا ویراں
تمہارے دل میں یہ کیا وہم، کیا گماں آئے   تمہارے جسم میں کیوں دوسروں کی جاں آئے
جو تُو نے بھائیوں کا اپنے ساتھ چھوڑ دیا   تو دستگیر نے تیرا بھی ہاتھ چھوڑ دیا
جو بات ٹھیک ہے، کہتا ہوں میں اُسے کھل کر   کہ سلطنت نہ سہی، تم رہو تو مل جل کر!

قوم کیسی، کس کو اب اردو زباں کی فکر ہے   غم غلط کرنا ہے بس اور آب و ناں کی فکر ہے
ایک پر اجماع اکثر کا، بہت مشکل ہے اب   سب ہیں مضطر، اپنے منہ میٹھو میاں کی فکر ہے
ہو نہیں سکتی مرتب کوئی بزمِ سامعین   ہر زباں کو ایک تازہ داستاں کی فکر ہے

مری سمجھ سے ہے باہر محیط بے مرکز   ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی
تمام قوم ایڈیٹر بنی ہے یا لیڈر   سبب یہ ہے کہ کوئی اور دل لگی نہ رہی

صلح رہی اب نہ گوارا ہمیں   سیلف گورنمنٹ[3] نے مارا ہمیں

---

[1] HONOUR، عزت افزائی
[2] JOHN BULL: سے انگریزی قوم مراد ہے
[3] SELF-GOVERNMENT، حکومتِ خود اختیاری

اک روز لاٹ صاحب سے بھی تو پوچھ دیکھیں   گرجا میں کیا دھرا ہے جتنا جو واں پڑا ہے

پیٹ سے دل نے کہا، درجہ ہمارا ہے بڑا   ساغرِ جمشید ہم ہیں، تو ہے بنیے کا گھڑا
پیٹ بولا، اصطلاحیں تیری سب منسوخ ہیں   ہم ہیں اب غربی گودام اور تو ہے شرقی جھونپڑا

اگر ہیں بھی باقی کچھ اب دردمند   تو بس پھینکتے ہیں وہ لفظی کمند
بہ یک لکچر آوازِ حق را بلند   بہ یک بزم مقدارِ چندہ دو چند

بے گزٹ ہو کے جو رہیے تو سمجھتے ہیں حقیر   باگزٹ ہو کے جو چلیے تو فرشتوں میں خفیف
کیسے چکّر میں بزرگوں کو پھنسا رکھا ہے   حضرتِ پیرِ فلک بھی ہیں عجب ذاتِ شریف

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے   مسجد سے ہم نکل گئے بسکٹ کی چاٹ میں
صاحب سلامت اب بھی مری شیخ جی سے ہے   لیکن چھٹے چھماہے وہی راہ باٹ میں

آپ اکبر لاکھ مشقِ خوش کلامی کیجیے   کتنا ہی اظہارِ اعزازِ دوامی کیجیے
دوستی کی آپ سے فرصت نہیں اُس شوخ کو   یا کھسکیے سامنے سے. یا غلامی کیجیے

ہو گئے روشن حدودِ آسماں   علم چمکا، ہو گئی تاروں کی ناپ
ساری دھرتی دب گئی سائنس سے   لگ گئے پائپ گیا دنیا سے پاپ
حضرتِ واعظ ہیں راضی رقص پر   دیر کیا ہے، اب پڑے طبلے پہ تھاپ

بس اتنی بات ہے سامع میں ہو مذاقِ سخن   مجال کیا کہ مرے شعر پر اُچھل نہ پڑے
اب اپنے وعظ میں دنیا سے دل کسی کا نہ پھیر   قلی گودام کی بھرتی میں تا خلل نہ پڑے

پارک میں زردے کے مالی سے گلِ بے بو لیا   مال ضائع کرنے کا تم کو ہے مالیخولیا
شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل   ہم نے برکت کے لیے اک مس کا سایا چھو لیا

تقلیدِ حریف میں جو پہنچے نقصان   افسوس اس کا کیوں ہو دلِ ملت میں
مسجد کی مصیبتوں میں دیتے امداد   ہوٹل میں ہو تو شیخ جی کیوں دوڑیں؟

کٹلٹ؎ میں زباں کانٹا چھری ہے   گڑ گھی ہے تو کھچڑی کیا بُری ہے
کہاں مسجد میں وہ اگلے سے مسلم   خدا کے نام کی حسنا نری ہے
ترقی پا کے وہ برگڈ میں پہنچے   کسی کو کیا کہ جب تنہا خوری ہے
یہ لیڈر گا رہے ہیں حمد کے گیت   مگر آواز بالکل بے سُری ہے

اسے اقرارِ اغوا ہے، یہ اغوا کو چھپاتے ہیں   علیہ اللعن ہے شیطان لیکن ان سے اچھا ہے
بہت مبہم تمہارا مصرعِ ثانی ہے اے اکبر   اشارہ ہے کدھر شیطان آخر کن سے اچھا ہے؟

جن میں ہر گام پہ اک دامِ بلا ہے درپیش   نفس کو تو انہیں باتوں میں مزا آتا ہے
اس کمیٹی میں نہیں رُوح کی لذت کا خیال   ممبر اُٹھ جاتے ہیں جب ذکرِ خدا آتا ہے

مانا کہ رشی ہو تم اور اچھا دل ہے   فطرت کی طرف سے مغربی عاقل ہے
بھائی گاندھی سے کوئی کہہ دے کہ جناب   انگریز سے جیتنا بہت مشکل ہے

اس وقت شیخ جی کو گاندھی سے میل سُوجھا   صاحب نے روک چاہی، ان کو بھی کھیل سُوجھا
دونوں نے آخر اپنی اپنی نکاس دیکھی   اسکیم اِن کو سُوجھی اور اُن کو جیل سُوجھا

تجربہ ترکِ تعاون کا کریں یہ نونہال   گو رہیں جیباؤں لٹکائے ہوئے ہیں، ان کو کیا
خاتمہ بالخیر ہے اُن کا پرانے سوگ پر   وہ کہاں پائیں نئے سُر اور کریں اس دھن کو کیا؟

کیا طلب جو سوراج بھائی گاندھی نے   مچی یہ دھوم کہ ایسے خیال کی کیا بات!
کمال پیار سے انگریز نے کہا اُن سے   ہمیں تمہارے ہیں، پھر ملک و مال کی کیا بات

گورمنٹیوں میں بڑی عقل ہے   مگر ان میں ایکا نہیں ہے نہ جوش
جو گاندھی کے پیرو، وہ اکثر اُجڈ   مگر اک اُمنگ ان میں ہے اور جوش

ہستیِ حق کا تصور ہے تو ہم تم اب کہاں   آفتاب آیا، نمودِ بزمِ انجم اب کہاں؟
شاخِ گاندھی کیپ سر پر دوستوں کے لگ گئی   وہ کلاہِ ترک اور پھُندنے کی وہ دُم اب کہاں؟

بھائی گاندھی خودسری کی آرزو کے ساتھ ہیں   اور صاحب لوگ غربی رنگ و بُو کے ساتھ ہیں
مالوی جی سب سے بہتر ہیں مری دانست میں   یعنی مندر میں ہیں اور اپنی گئو کے ساتھ ہیں

بُت بن گئے خود شیخ تو گاندھی سے لڑے کون؟
صاحب بھی ہیں خاموش تو آفت میں پڑے کون؟
ملّو ہیں، ترقی کے رسالے کے ہیں داعی
اور ایڈیٹر بھی آنر؎ کا ہے، پھر کیسے اڑے کون؟

ہم نزع میں رہیں گے مرنے کا ڈر نہیں ہے   بُت زہر دے رہے ہیں، عیسیٰ جلا رہے ہیں
اسلام و شرک کو وہ خود ہی ملا رہے ہیں   دونوں کو ہوم رول کی وہسکی پلا رہے ہیں

اس سوچ میں ہمارے ناصح ٹہل رہے ہیں   گاندھی تو وجد میں ہیں، یہ کیوں اُچھل رہے ہیں
نشو و نمائے کونسل جن کو نہیں میسر   پبلک کی جے میں اُن کے مضمون پل رہے ہیں
ہیں وفد اور اپیلیں، فریاد اور دلیلیں   اور کبرِ مغربی کے ارمان نکل رہے ہیں
یہ سارے کارخانے اللہ کے ہیں اکبر!   کیا جائے دم زدن ہے یوں ہی یہ چل رہے ہیں

ہوں مبارک حضور کو گاندھی   ایسے دشمن نصیب ہوں کس کو

کہ پٹیں خوب اور سر نہ اٹھائیں   اور کھسک جائیں جب کہو کھسکو

ہو تیزیٔ انوار کی جو ہوس، ہنگامہ کرو، توپوں سے بھنو
گاندھی کی جو حکمت خوش آئے، چپ چاپ گڑی کے تھان بُنو
صاحب کی رفاقت ہو جو پسند، آسام میں جا کر چائے چُنو
اکبر کی جو مانو بیٹھے رہو، جو کچھ بھی ہو سکے صبر کرو!

کہا اُن کے بیرے نے، گو ہوں شریک   خیالات میں گاندھی بابا کے ساتھ
میں سمجھوں گا لیکن یہی ہوم رول   تعلق جو ہو جائے آیا کے ساتھ

پوچھتے کیا ہم تم سے فتویٰ   نہ کرو ہم پہ بابِ آفت وا
اتنا کہتے ہیں، رشتہ ملک سے ہو   چرخ چرخہ بھی دے اگر کتوا

ادھر عزیمتِ گاندھی کی مشرق کو تلاش   اُدھر جلالتِ مغرب ہوا میں ہے بم پاش
کہیں یہ شکوہ کہ انعام میں نہاں ہے فریب   کہیں یہ غصّہ کہ شور و فغاں ہے سمع خراش
کہیں یہ طعن کہ یہ سامری ہے گاؤ پرست   کہیں یہ شبہ کہ خنزیر کی یہ کھائے گا قاش
کہیں یہ رمز کہ مشرک سے ارتباط عبث   کہیں یہ قہر کہ غیرت سے نذرِ فکرِ معاش
کہیں یہ وسوسہ بنیادِ تخت سست نہ ہو   کہیں یہ خطرہ کہ گرنے لگے نہ لاش پہ لاش
کہیں یہ فیصلہ یہ سب ہیں ملک و قوم فروش   کہیں یہ قول کہ یہ سب ہیں رند اور اوباش!
جدھر اٹھائیں نظر، ان میں ہیں عیاں باہم   عناد و غیبت و توہین و کینہ و پرخاش
تغیّراتِ جہاں کون روک سکتا ہے!   ہر ایک پائے گا اعمالِ زشت کی پاداش
فضول رائے کے اظہار میں جو ہیں سرگرم   یہ شعرِ صائب انہیں خامشی سکھائے کاش
"تمیزِ نیک و بدِ روزگار کارِ تو نیست   چو چشمِ آئینہ در خوب و زشت حیران باش"

گھر سے جب پڑھ لکھ کے نکلیں گی کنواری لڑکیاں   دلکش و آزاد، خوش رو، ساختہ پرداختہ
یہ تو کیا معلوم کیا موقعے عمل کے ہوں گے پیش   ہاں نگاہیں ہوں گی مائل اس طرف بے ساختہ
مغربی تہذیب آگے چل کے جو حالت دکھائے   ایک مدت تک رہیں گے نوجواں دل باختہ
ادبِ قومی سے شرافت کا مُنہا گر جائے گا   ماکیاں سے پست تر دکھلائی دے گی فاختہ
زال دے گا سینۂ غیرت سپر میدان میں   تیغِ ابرو ہی نظر آئے گی ہر سُو آختہ

مرد جنٹلمین ہو کر پا رہے ہیں جب عروج   بی بیاں پھر گھر میں رنجِ کس مپرسی کیوں سہیں؟
مطمئن رہیے، نہ رہ جائے گا عورت کا حجاب   چادرِ قومی کی آخر کھلتی جاتی ہیں تہیں!
اک طرف دامِ ترقی، اک طرف موجِ شراب   ہر طرح حاضر ہیں ہم، کیسے پھنسیں، کیسے بہیں!

پردہ میں ضرور ہے طوالت بے حد   انصاف پسند کو نہیں چاہیے ہٹ
تشبیہ بُری نہیں اگر میں یہ کہوں   بیگم ہے پیچوان، لیڈی سگرٹ

ادھر جوانوں کو ہے یہ سودا کہ باغ کی سیر انہیں کرائیں
اُدھر خواتینِ خلوت آرا ہنوز مست اپنی فوج میں ہیں
مگر یہ قیدِ حرم کہاں تک، حجاب کے دن، نقاب کب تک؟
کہ گبر و ترسا کی لیڈیاں بھی شریک واعظ کی فوج میں ہیں

مناسب ہے نئی تعلیمِ نسواں   یہی رہ آپ اب بے رد و کد لیں
سمجھ لیں لاکھ باتوں کی یہ اک بات   میاں بدلے تو بی بی کیوں نہ بدلیں؟

کون کہتا ہے کہ تعلیمِ زناں خوب نہیں   ایک ہی بات فقط کہنا ہے یاں حکمت کو
دو اُسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم   قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

تمہیں سے اُٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ   تو پھر بقائے حجابِ رُخِ زناں کب تک؟
اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار   رہو گے منتظرِ مہرِ آسماں کب تک؟

فرض عورت پر نہیں ہے چار دیواری کی قید   ہو اگر ضبطِ نظر کی اور خود داری کی قید
ہاں مگر خود داری و ضبطِ نظر آساں نہیں   منہ سے کہنا سہل ہے، کرنا مگر آساں نہیں
تم میں وہ ضبطِ نظر، اُن میں وہ خود داری کہاں   رُعبِ قومی مثلِ فاتح ملک پر طاری کہاں؟
اب رہی تعلیم، کون اس امر کا مفتوں نہیں!   بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں
یہ تو ظاہر ہے حریفِ شوخ کیوں رکنے لگا   شوق سے لیکن خرابی پر میں کیوں جھکنے لگا

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ ہند میں   مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے، اب اس کی ضرورت ہی نہیں   میرزایانہ ادا تھی، سلطنت کی بات تھی
خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی   خوب تھا پردہ، نہایت مصلحت کی بات تھی

تمکین اک نشان ہے عصمت کی آن کا   پردہ بس اک ظہور ہے عورت کی شان کا
پردہ تو ان کا حق ہے، نہیں اُن پہ جبر کچھ   آیا ہے اُن پہ وقت یہ سخت امتحان کا
شوخیٔ مغربی کے خریدار ہیں بہت   گاہک مگر خدا ہے حیا کی دکان کا

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ   اجمیر میں کلچا ہوں، علی گڑھ میں ہوں بسکٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں   گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے بگٹٹ

دقیانوسی طریق سے منہ موڑ دو   شیرازہ مذہبی لغت کا توڑ دو
جبّو کے سے کہو حدِ تہذیب میں رہ   آنتوں سے کہو کہ قل ھو اللہ چھوڑ دو

کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے   طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے؟
عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہوں گا حاضر عنقریب   ہو چکا ہوں پیر، بس نابالغی ہی دیر ہے!

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے   مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے
پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفالِ یہاں   آخر یہ کیوں جلائے ہستی میں پڑے

پاس کالج کے جو ہیں، ووٹ طلب کرتے ہیں   پاس مسجد کے جو ہیں، طاعت رب کرتے ہیں

عشوہ ہائے عجمی کے وہ ہوئے ہیں کُشتہ   یہ رُخِ سادگیِ طرزِ عرب کرتے ہیں
اُن کو ہے لمنڈ و وسکی کی ضرورت اور یہ   رفع پانی سے فقط خشکیِ لب کرتے ہیں
چھیلتے وہ ہیں کہ اغیار سے جوڑیں رشتہ   یہ ہیں سمٹے ہوئے اور حفظِ نسب کرتے ہیں
وقت کو دیکھ کے اب آپ ہی انصاف کریں   وہ ستم کرتے ہیں یا آپ غضب کرتے ہیں!

ہوائے کوچۂ مشرق کی موجیں یاد ہیں ہم کو   وہی تھی منزلِ راحت، وہی رفتار اچھی تھی
نئی محفل کی نکتائی تو گویا طوقِ گردن ہے   وہی بُت خانہ بہتر تھا، وہی زنّار اچھی تھی

شوخی یہ لیڈروں کی، یہ ملّت کی ابتری   تاریک شب میں کشمکشِ برق وابر ہے
محفوظ مثلِ انجم تاباں ہیں وہ بزرگ   ذوقِ صلوٰۃ جن کو ہے اور تابِ صبر ہے

کب کہتا ہوں یہ شیخ معزز نہ رہیں گے   البتہ یہ ہے خوف کہ مرکز نہ رہیں گے
سچ کہتا تھا معمار کسی وقت میں اکبر   اُٹھا دو تُھکا اب یہ مرے گز نہ رہیں گے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن   نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے
زمانہ ہے کہ وہ دشمن ہے صاف گوئی کا   زبان ہے کہ نہیں مانتی، مصیبت ہے!

یہ جب سنا ہے میں نے کہ کیسے کیا گزرتی ہے؟
یہ سن اُنیس سو دس ہیں، نئے مقصود و منظر ہیں
رت سے وہ بولے، کیا کہوں تم سے
یہ دو مصرعے سنو جن میں نہاں دفتر کے دفتر ہیں!

نئی تعلیم کے مُردے تو زندہ ہیں تماشوں میں
پرانی وضع کے زندہ مگر مُردوں سے بدتر ہیں

روشنی جن میں نئی ہے، وہ مری سُنتے نہیں   لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہے یہ خالی روشنی
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں میرے ہم طریق   وضع پہ قائم ہیں، ان میں ہے پُرانی روشنی

عاشقی اُن کی نہیں ہے عقل سے بالکل جُدا   اہلِ دل وہ بھی ہیں لیکن دل بدن کے ساتھ ہے
وہ نہیں ہیں میرے چاک جیب و داماں میں شریک   ہے جنوں اُن کو بھی لیکن پیرہن کے ساتھ ہے
آہوئے رعنائے وحشت ؎ رہے وہ قائل نہیں   آنکھ اُن کی آہوئے دشتِ ختن کے ساتھ ہے
مجھ کو الجھانے کو کافی ہو گئی سنبل کی شان   جوشِ سودا اُن کا زُلفِ پُرشکن کے ساتھ ہے
یہ نہیں ہے تو کچھ نہیں، باتیں ہی باتیں ہیں فقط   ہر زبان اپنے جُدا طرزِ سخن کے ساتھ ہے

کیا پوچھنا ہے حکمتِ مغرب کا واہ واہ!   فطرت بھی اس کو دیکھ کے حیران رہ گئی
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جاں   دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے، جان رہ گئی

تم نے جو سُنا صحیح ہے ہاں صاحب   عربی سے گریز کرتے ہیں خاں صاحب
سچ کہتے ہیں وہ کہ ہم کو اس سے کیا کام   ہیں کیمپ میں ہم تو خاں ساماں صاحب

مغربی تعلیم سے دل ایشیا کا ہے ملول   کر دیا خلقت کو اس نے بے تمیز و بے اصول
جو کرے اصلاح اس کی، مدح کا ہے مستحق   اور باتوں کو بظاہر میں سمجھتا ہوں فضول

تہذیبِ قدیم کے جب ارکان تھے چُست   ملکی حالات سب رہے صاف و دُرست
تعلیم جدید نے کیا فتنہ بپا   اے بادِ صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست!

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں   کیوں کر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری بُرا نہ مانو اے شیخ   وہسکی کی ہے لہر، موجِ تسنیم نہیں

ہم میں وہ خوبی و نکوئی نہ رہی   پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی!
تعلیم جدید سے ہُوا کیا حاصل   ہاں کفر کے ساتھ جنگ جوئی نہ رہی

کہنا مجھ کو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں   دینی علموں کی موجوں کو بہنے دیں
شبلی کی دعا بُتانِ مغرب سے یہ ہے   ندوہ کو حضور قبلہ رُخ رہنے دیں

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند   اور ندوہ ہے زبانِ ہوش مند
ہاں علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو   اک معزز پیٹ بس اس کو کہو
پیٹ سب پر مقدم اے عزیز   گو کہ فکرِ آخرت ہے اصل چیز

اُس چیز کا کیا کہنا اکبر، تھا جس نے دلوں کو نیک کیا
لاکھوں ہی طبائع کو کھینچا، ہموار کیا اور ایک کیا
جو قوم کو ابتر کرتے ہیں، اب اُن اثروں پہ رونا ہے!
معلوم نہیں کیا مطلب ہے، معلوم نہیں کیا ہونا ہے
تعلیم جنہوں نے پائی ہے، وہ بد تو نہیں ہیں، بے حس ہیں
دعوے جو ہیں رسم و مذہب کے، سب ان کے یہاں سے ڈسمس ہیں
کیوں دولت و قوت کی ہے کمی، اس کے تو سبب پیچیدہ ہیں
کچھ اس کو سمجھ سکتے ہیں وہی بوڑھے جو زمانہ دیدہ ہیں!
لیکن جو یہ سوشل آفت ہے، طوفان بپا ہے فتنوں کا
بے مہریِ ملّت کی یہ ہوا، اک قہر ہے جس کا ہر جھونکا
اس کا جو سبب ہے سن لو اسے، سب پر وہ عیاں ہے ظاہر ہے
الفاظ صریح و واضح ہیں، یہ مطلعِ اکبر حاضر ہے

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں، وہ کیا ہے، فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے، وہ کیا ہے، فقط سرکاری ہے

واہ اکبر، بس مستقیم گول ہو کر رہ گئے   خود فروشی کی نہیں، انمول ہو کر رہ گئے
عرض و طولِ ہند میں تم نے دو ملائے خطوط   دل کشی مرکز میں پائی، گول ہو کر رہ گئے

---

[1] DISMISS، برخاست کرنا [2] علی گڑھ کا پرانا نام

سید صاحب[1] سکھا گئے ہیں جو شعور   کہتا نہیں تم سے ہیں کہ ہو اُس سے نفور
سوتوں کو جگا دیا انہوں نے لیکن   اللہ کا نام لے کے اٹھنا ہے ضرور

سُنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھو بڑھ کے سوا   کہتا نہیں کوئی کچھ بھی پڑھ پڑھ کے سوا
پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول، بڑھنے کی نہ راہ   اور قبلہ کوئی نہیں علی گڑھ کے سوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جس نے اس کو   کاٹنا چاہا زمانے میں، وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگرسی ہر سُو   مر گیا کول کا بڑھا، یہ چیلو پاپ کٹا

سر سید کو فلک نے تھمنے نہ دیا   تہذیب کو پھر دوبارہ جمنے نہ دیا
ملت کی شکست میں مددی کامل   بننے لگی قوم جب، تو بننے نہ دیا

گھر میں بیٹھیں چرخ نے ٹھہنے نہ دیا   باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا
کالج نہ بجھا دیا جو مانندِ شجر   کچھ پھول چلے تھے، اس نے پھلنے نہ دیا

دیکھ کاریگری حضرت سید نے شیخ   دے گئے سوچ وہ مذہب میں کہانی کی طرح
بحرِ ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے   برف کی طرح جمے، بہہ گئے پانی کی طرح

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں   جو اہلِ نظر ہیں شرمندہ ہیں
حکام کی ہے یہ صرف جینے نفسی   اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

دورِ گردوں نے اُبھارا دیر کو سچ ہے مگر   یہ نہ کہیے حضرتِ سید نے پھر کیا کر لیا
اُن نگاہوں سے کہ جو تھیں خوگرِ طوفِ حرم   آذریں کہیے کہ بُت خانہ کو اپنا کر لیا

علی گڑھ میں حریفانہ ترنگیں   پڑھے لکھے مسلمانوں میں جنگیں
ہمیں تو کر رہی ہیں سخت مایوس   تمہیں کو ہوں ترقی کی اُمنگیں

ہر کام تھا گھنٹے کا، نکلتا ہے وہ پل سے   خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے
نا سیکھ تو خالق کی پڑھو رات کو گھر پر   اور دن کو کچہری میں دو نیل کمل سے

اس درجہ جھک پڑے ہیں وہ بیف[2] پہ مٹن[3] پہ   ہے بار پیٹ اُن کا پتلون کے بٹن پر
صورت پہ اور نسب پہ ترجیح دی ہنر کو   کس بل جو اس کے دیکھے دل آ گیا مٹن پر

رسوا ہوا جو مستِ پیمانہ ہوا   لپکا جو سائے پہ وہ دیوانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست   محروم اُدھر، اِدھر سے بیگانہ ہوا

نہ راجگی کا مجھے شوق ہے نہ شاہی کا   اگرچہ میں بھی ہوں طالب مگر خدا ہی کا

---

[1] یعنی سر سید احمد خاں   [2] BEEF ، گائے کا گوشت
[3] MUTTON ، بھیڑ بکری کا گوشت

یہ وعظِ مغرب اور اس کا اثر یہ ملت پر   بنا ہے شوقِ ترقی سبب تباہی کا

ہیں لیمپ عزیز، شمع بیگانہ ہے   جلتا ہے چراغ سے جو فرزانہ ہے
سب کی ہے مِسوں کے رُوئے روشن پہ نگاہ   جو ہے نئی روشنی کا پروانہ ہے

جب نورِ یقیں نہیں، بصیرت کیسی   طاقت ہی نہیں دلوں میں، ہمت کیسی!
اسلام نئی روشنی میں کیا ہو یک رُخ   مسجد ہی نہیں تو پھر جماعت کیسی!

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور   کیوں کر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے
البتہ ایک عرض کروں گا دبی زبان   گو خوش نما بہت ہے مگر بے اُصول ہے

مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ   اس کا نہ کچھ ادب ہے، نہ کچھ اعتبار ہے
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ   یعنی نہ نورِ دل ہے نہ شمعِ مزار ہے

بوئے گل میں فسوں ہی وہ نہ رہا   موسم بدلا، جنوں ہی وہ نہ رہا
سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبرؔ   جب اپنی رگوں میں خوں ہی وہ نہ رہا

الاپو مغربی سُر میں کوئی راگ   اُٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو
جنونِ لیڈری کا دور ہے یہ   فلک کو کد ہے، بگڑو اور بگاڑو

مجلس گدا کو دیا رخصت جو دے کر عطر پان   فاتحہ تو ٹوٹا نہیں، ہاں عزت افزائی ہوئی
مرکزِ دل بزمِ مشرق میں کوئی ملتا نہیں   ہر طبیعت مغربی چکر میں ہے آئی ہوئی
مذہب و وضع و زبانِ قوم کا کس کو خیال   جب اکابر کی نظر آذر کی شیدائی ہوئی
نظمِ اکبرؔ کو سمجھ لو یادگارِ انقلاب   یہ اُسے معلوم ہے، خلقت نہیں آئی ہوئی

بے سبب زیں لائبریری یار مرا اکراہ نیست   ہر کتابے را کہ بکشادیم، بسم اللہ نیست
کورس را ہر سال تغیر است و باہم اختلاف   اتحادِ معنوی را سُوئے دلہا راہ نیست
از مذاقِ مشرقی ہر طبع را بیگانگی   چیزے از مغرب بدلہا است و خاطر خواہ نیست
صف نشیناں چشم یاری می کنند از ہم دریغ   کوفے کاں را دریں محفل جنونِ جاہ نیست
گشتہ ام مایوس ازیں آغازِ اندازِ شما   لا الٰہیت نمایاں ہست الا اللہ نیست
صورتِ مذہب کہ می سازند تحصیلِ مے کنم   معنیِ دیں را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

کر لی ہے خوب میں نے نئی روشنی کی جانچ   مجھ سے بہت نہ کہیے اب تین پانچ
ان لیڈروں کی مشغلہ زبانی سے کیا ہوا   ہانڈی تو سرد رہ گئی، نا جب پہ آئی آنچ

میں نے کہا یہ اپنے خیالی خضر سے آج   (بتلائیے) اس روش سے ترقی کی کیا امید؟
ہر گام پہ جو جماعتِ حق سے الگ پڑا   ہوتے رہو گے مرکزِ قومی سے تم بعید
ہاں انتشار و جہل کی تکمیل ہوگی جب   ہو جاؤ گے بتانِ کلیسا کے تم مرید
شاید کہ مدعا بھی تمہارا ہے بس یہی   ہر چند ابھی ہے درس کے پردے میں ناپدید

ہم کوئی روش کے حلقے جکڑ رہے ہیں ۔ باتیں تو بن رہی ہیں اور گھر بگڑ رہے ہیں
ذاتی ترقیاں ہیں، قومی مگر تنزل ۔ گر ہیں یہ کھل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں
سطح زمیں سے پوچھو کیا مل رہا ہے اُس کو؟ ۔ نظروں میں پھلجھڑی سے گو پھول جھڑ رہے ہیں
چلتی تو ہیں زبانیں اور بھرتے ہیں شکم بھی ۔ لیکن اُمید کیا ہو جب دل اُجڑ رہے ہیں
یہ زیورِ معانی کس کی کریں گے زینت؟ ۔ لفظوں کے یہ نگینے کیوں آپ جڑ رہے ہیں؟

سکھاتے ہیں جو اغیار اب اُسی کے دل سے شیدا ہیں
نہ جانا یہ کہ ہم کیا ہیں، یہی سمجھے کہ وہ کیا ہیں
خرابی، بے اصولی، تفرقہ، اس کا نتیجہ ہے!
تماشائی ہیں وہ، ان کے لیے ہم اک تماشا ہیں

سوئے مسجد اس نئی تہذیب کی راہ اب کہاں ۔ تھینک یو میں صرف ہیں، الحمد للہ اب کہاں
ہم غریبوں ہی کو لازم ہے توجہ اس طرف ۔ التفاتِ صاحبانِ شوکت و جاہ اب کہاں
بزم آخر میں مراقب ہیں، جو تھے درویش دوست ۔ شوق ہے دربار کا، وہ ذوقِ درگاہ اب کہاں

خانقاہوں کے کھلیں در کس طرح ۔ ہیں کواڑ اب تنگ اپنی چول میں
حکمِ گردوں ہے کہ حلقے چھوڑ دو ۔ یا پریس میں جاؤ یا اسکول میں

گردوں نے ہم کو اس کا لقمہ بنا دیا ہے ۔ تہذیبِ مغربی کے معدے میں ہم پڑے ہیں
شخصیتیں جو اکثر تم دیکھتے ہو باقی ۔ کیلوسِ ہو رہا ہے لقمے بڑے بڑے ہیں
اللہ نے جو چاہا، ہم ہضم ہی نہ ہوں گے ۔ توحید اور قناعت کے پاسباں کھڑے ہیں
البتہ اُن کی نسبت کچھ رائے میں نہ دوں گا ۔ جو اس سے خون ملنے کی آس پہ اڑے ہیں

سچ کہا اکبر نے یا تھا پانی کا ہے کیا علاج ۔ زورِ منطق سے تو ممکن ہے انہیں ساکت کریں
بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ، ہم جو اُن کو چت کریں ۔ ہے فقط یہ مدعا، ان کی کمر ثابت کریں
شیخ جی فربہ تھے، ان کی طبع میں جدت کہاں ۔ مغربی جوہر مگر بلغم کو چاہیں پت کریں

آپ کی انجمن کی کیا ہے بات ۔ آہ چھپتی ہے، واہ چھپتی ہے
حکمتوں سے ہوئی ہے جزوِ شکم ۔ رُوح بھی اب تو کورس چھپتی ہے
اس غرض سے کہ سینہ پوش نہ ہو ۔ شیخ کی ریش روز بٹتی ہے
پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا ۔ کس قدر یہ زمین تپتی ہے

مار کر دم رہ گئے، کیڑے مکوڑے رہ گئے ۔ صورتیں تو ہیں مگر انسان تھوڑے رہ گئے
خضر عنقا ہو گئے ہو ذی بنے ہیں سدِ راہ ۔ گم گئے سنگِ نشاں منزلوں پہ روڑے رہ گئے
پردہ در کی رائے سن کر بی بیاں کہنے لگیں ۔ اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے
شیخ صاحب چل بسے، کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب ۔ اُونٹ رخصت ہو گئے، پولو کے گھوڑے رہ گئے

یہ صندوقِ کُتب بھاری ہے یارب، اٹھ نہیں سکتا
یہ ہے مذہب تو مجھ سے بارِ مذہب اٹھ نہیں سکتا
ہوا پیدا جس جگہ اللہ نے مغربی مشینوں کو!
زمیں سے غمزہ انجینئری کا اب اٹھ نہیں سکتا

باتیں ہرگز خلافِ عزت نہ کرو ۔ دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو
بدنام کرو نہ وضعِ انگریزی کو ۔ پتلون پہن کے ترکِ طاعت نہ کرو

مسمریزم کے عمل میں دہر اب مشغول ہے ۔ مغرب و مشرق میں اک عامل ہے، اک معمول ہے
جسم و جاں کیسے کہ عقلوں میں تغیر ہو چلا ۔ تھا جو مکروہ، اب پسندیدہ ہے اور مقبول ہے
مطلعِ انوارِ مشرق سے ہے خلقت بے خبر ۔ مستند پر تو وہ ہے، مغرب سے جو منقول ہے
گلشنِ ملت میں پامالی سرافرازی ہے اب ۔ جو خزاں دیدہ ہے برگ، اپنی نظر میں پھول ہے
کوئی مرکز ہی نہیں، پیدا ہو پھر کیوں کر محیط! ۔ مجہول ہے، پیچیدگی ہے، ابتری ہے، بھول ہے

ہیٹ پہنچی شیخ کے سر پر جو دل کے جوش سے ۔ اور بھڑکے شعلہ ہائے فتنہ اس سرپوش سے
بن گئے صاحب، ہنر صاحب کا کیا ہے آپ میں ۔ کیا کلیں ٹپکیں گی سقفِ بنگلۂ فس پوش سے

چکر آیا اک ایسا جھونا جھونے ۔ قومی عزت کی ہسٹری کو بھولے
جنت کا خیال ہے نہ باغِ دل کا ۔ بنگلوں ہی پہ اب تو بیٹھتے ہیں ہم پھولے

گل پھینکے ہے یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی ۔ اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی!
اغیار تو دنیا ہیں اٹھائے ہوئے سر پر ۔ ہم بیٹھے ہیں اس طرح کہ اٹھتا نہیں سر بھی
اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہوئے واقف ۔ ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اس بت کی کمر بھی

عزم کر تقلیدِ مغرب کا ہنر کے زور سے ۔ لطف کیا ہے لائیے موٹر جو زر کے زور سے
غیر ملکوں میں ہنر کو سیکھو، تکلیفیں اٹھا ۔ روکتے ہیں وہ اگر اپنے اثر کے زور سے
نسخۂ آمنتُ بالمغرب سے چلکے نیچری ۔ بابوؤں کا کام نکلا شور و شر کے زور سے
نغمۂ شب پر حریفوں کو نہایت ناز ہے ۔ وہ نہیں واقف مری آہِ سحر کے زور سے

قید ہر کروٹ پہ، ہر پہلو پہ اک مضمون ہے ۔ عشق میں کیا ہے، نرا قانون ہی قانون ہے
گو نئی نظریں مبارک باد دیں اس لطف پر ۔ میں تو کہتا ہوں کہ شامت اس کی جو مفتون ہے

اب تک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی ۔ ناحق تجھے ہم نشیں ہے فکر اس کی پڑی
انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی! ۔ یہ بند ہے یہاں خوش انتظامی سے بڑی

انگریزوں میں عادتِ سحر خیزی تھی ۔ اندازِ روش میں اک دلآویزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی ۔ پہلے اچھی تھی، خالص انگریزی تھی

میں رعیت ہوں، وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں ۔ مجھ کو کیوں رشک ہے وضعِ ملت انگریز پر

ل THANK YOU، شکریہ ۔ ۲ PRESS، چھاپہ خانہ یا اخبار
۳ معدہ میں غذا کے ہضم ہونے کا پہلا درجہ

کانٹے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ زندگی میں خوف آتا ہے، چھری چلتی ہے اُن کی میز پہ

روز افزوں ہے بلا شبہ برٹش اقبال جو خلاف اس کے تصور کرے وہ وہمی ہے
اپنا اقبال مگر اُس نے جو سمجھا ہے اسے یہ نئی روشنی کی سخت غلط فہمی ہے

اسبابِ طرب یہاں وہاں سے لائیں ہر طرح کا فرنیچر دکاں سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اس کا علاج انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

اونٹ نے برگڈ میں کل گردن اٹھائی تھی ذرا
ہو چکی تھی اس کو کمشریٹ[1] میں اک مدت دراز
وہ یہ سمجھا تھا مسلّم ہیں ہماری نیکیاں
خوش دلی سے آپ فرمائیں گے اس کو سرفراز
منزلِ مقصود اس کی سجدہ گاہِ خلق تھی
وہ تو تھا اک بارکش اور سالکِ راہِ حجاز
آپ نے ناحق سزاوارِ سزا سمجھا اسے
آپ سمجھے اس کو گردن کش، جو تھا اک پاکباز
یا الٰہی ہم غریبوں کا کہاں ہو اب نباہ!
بدگماں اشتر سے جب ہیں حضرتِ انجن نواز[2]

فخر تھا اپنی چمک پر آپ کو دو ہی صدیوں میں ملمع کھل گیا!
بلبلا اٹھی رعایا ہر طرف عرش و کرسی تک فغاں کا غل گیا
بھاگ نکلے لوگ ہو کر بے قرار کوئی امریکہ، کوئی کابل گیا
اس قدر تیزی سے دوڑی ان کی لہر تھا جو مصنوعی مسالہ، دُھل گیا

پیٹ کے واسطے پپیتا ہے دل بہلانے کو درسِ گیتا ہے
ہند ہی میں دیا خدا نے مقام بندہ اب دیر میں ہی جیتا ہے

میں کب کہتا ہوں وہ مسلمان نہیں سب میں چپکے ہوئے ہیں، لاثانی ہیں
میں تو اتنا ہی کر رہا تھا دریافت توفی میں کہ مذہبی کہ روحانی ہیں

وہ ہے ہندو، ہم ہیں مسلم، یہ دونوں مل کے ہم
سر پہ انگریزی ڑ[?]، اس سے ہوئی حالت اہم
ہے وہ ہم سے جُدا لیکن محافظ اور معین!
اس کے سائے میں رہے کام، شامل ہوں ہم
دوست کیوں کر ہوں، نہ ہوں جب ہم خیال و ہم مذاق
لیکن اس کا یہ اثر کیوں ہو کہ ہوں دشمن ہم

[1] COMMISSARIAT ۔ فوجی محکمہ رسد
[2] انگریز مراد ہیں

اپنا اپنا وقت ہے، موقع ہے اور میلانِ طبع
آپ اپنے شغل میں رہیے اور اپنی دھن میں ہم

لڑیں کیوں ہندوؤں سے، ہم یہیں کے اُن سے پنپے ہیں
ہماری بھی دعا یہ ہے کہ گنگا جی کی بڑھتی ہو!
مگر ہاں، شیخ جی کی پالسی سے ہم نہیں واقف
اسی پر ختم کرتے ہیں کہ جو صاحب کی مرضی ہو

ہر طرف برپا ہے طوفانِ عناد و اختلاف برہمن اور شیخ سوشل ساز و ساماں کیا کریں
پالسی مغرب پہ، مشرق پر تعصب ہے سوار اس کو ہندو کیا کریں، اس کو مسلماں کیا کریں

زیادہ اُن[1] سے رہو محترز کہ ہندو سے یہ خود ہی سوچ لو دل میں، اگر نہ کچھ کد ہو
یہ چاہتے ہیں کہ فتنہ یہاں کا ہو موقوف وہ لشکر میں ہیں مسلمانی پہ مزد ہو

سینگ ہے، پھر بھی وہ جھکائے ہے سر آپ بے سینگ سر اُٹھاتے ہیں
حامی گاؤ ہیں اسی سے بہت اس کو کم لوگ مُنہ لگاتے ہیں
اُس کے گوبر سے لیپتے ہیں مکاں اونٹ کی مینگنی جلاتے ہیں

تیرے قدم سے رونقِ شہرِ پراگ[2] ہے یعنی ترے ہی دم سے بتوں کا سہاگ ہے
بھڑکی ہے دل کی آگ کو ان کے عشق میں احباب ہنستے ہیں کہ یہ کنڈے[3] کی آگ ہے

آگ برسانے کو لائی ہے ہوا جیٹھ میں اس لوہ کی ہے کیا دوا
کاسۂ سر ہو گیا بالائے سر جس طرح چولھے کے اوپر ہو توا

دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ، کھول ڈالیے اک دم میں کل خزانۂ سخن تول ڈالیے
ترکیب ہے ترقی اُردو کی بس یہ خوب جو آپ بول سکتے ہیں، سب بول ڈالیے

قصۂ منصور سُن کر بول اُٹھی وہ شوخ مس کیسا احمق لوگ تھا، پاگل کو پھانسی کیوں دیا
کاش اے اکبر وہی حالت مجھے بھی پیش آئے اور یہ کافر پکارے۔ درپناہِ من بیا!

مجھ کو ہے پسند اس سبب سے یُو۔ پی یعنی یُو۔ پی کا قافیہ ہے رُوپی
ہے فصلِ بہاری بھی ہم آہنگ اس کی جب آتی ہے، کرتی ہے اشارا تو پی

مجھ کو حسرت نہیں اس کی کہ کریں یاد مجھے یاد آئی بھی تو کیا، آئی جو تحقیر کے ساتھ
مسمریزم کی ہو تدبیر نرا دل ہی پہ مشق چھوڑ دیں مجھ کو وہ آنکھیں مری تقدیر کے ساتھ

مرغی نے کہا خوب گئی کمپ میں لُٹ کے انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کھٹکے!

[1] انگریز مراد ہیں
[2] الہ آباد کا قدیم نام
[3] گوبر کا اُپلا

دیوارِ شکستہ نے ترقی کی دعا کی   گردوں کی عنایت سے سڑک بن گئی کٹ کے

تم کتنے ہی محوِ کج ادائی رہتے   تم پر دل و جاں سے ہم فدائی رہتے
صد شکر تم آئے، بڑھ گئی لذتِ طبع   لیکن جو نہ ملتے، تب بھی بھائی رہتے

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو، احسان ہو
وہ یہ کہتے ہیں کہ مر جاؤ تو کیا نقصان ہو!
میں یہ کہتا ہوں مجھے بندہ بنا لو اپنا تم
وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے کہیے جو شیطان ہو!

میں نے کچھ اختلاف کیا آپ سے اگر   غصہ عبث ہے، آپ کا نوکر نہیں ہوں میں
اے قبلہ، مجھ پہ آپ چڑھے آتے ہیں یہ کیوں   ممبر[1] اس انجمن کا ہوں، منبر نہیں ہوں میں

رکی ہے انہیں سے ہماری نمود   یہ کھسکیں تو ثابت ہو اپنا وجود
کہاں کا حرام اور کہاں کا حلال   ہٹے جائے خطی رہیں رام لال

دے دیا فطرت نے ٹھیکہ باغ کا صیاد کو
موسمِ گلزار میں بلبل کو چپ ہونا پڑا
حضرتِ عیسیٰؑ کی آمد ہے، یہ تھا وقتِ خوشی
بھائیوں میں دیکھ کر ماتم مگر رونا پڑا
مل گئی ان کو کمیٹی، ان کو عنبری مجلسیں
میرے حصے میں مگر گھر کا ہی اک کونا پڑا

ہیں زمانے میں بہت صاحبِ حس کی قسمیں
سب سے اچھا ہے وہی ذوق فنا ہو جس میں
خوب صورت ہیں بہت آپ، مجھے پیار آیا
شاعری کی تو کوئی بات نہیں ہے اس میں

یہ وہ صاحب ہیں، پریڈوں پہ، منوں بارود اڑاتے ہیں
یہ بابو ہیں، کمیٹی میں گپیں بے سود اڑاتے ہیں
الٰہ آباد میں ہیں ہم تو اب مہمان، اے اکبر
سخن کی چاشنی چکھتے ہیں اور امرود اڑاتے ہیں

سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز   لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز
تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھوڑا   فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

شعر کہتا ہے بزم سے نہ ٹلو   داد لو، واہ کی ہوا میں پلو!

---

[1] MEMBER، رکن

وقت کہتا ہے، قافیہ ہے تنگ   چپ رہو، بھاگ جاؤ، سانس نہ لو

لفظوں کے چمن بھی اس میں کھل جاتے ہیں   بے ساختہ قافیے بھی مل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی   تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

جب واقعاتِ اصلی پیشِ نظر نہ آئے   شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے   نیچر نے کی گزارش، رخصت ہوں میں یہیں سے

اب کہاں نشو و نما پائے نہالِ معنی   کس زمیں پر دلِ پرجوش کی بدلی برسے
بزمِ حافظ ہے، نہ میدان ہے فردوسی کا   قوم کو کام ہے باضابطہ لٹریچر سے

اک شاعری وہ ہے جو بڑھاتی ہے عقل و ہوش
اک شاعری وہ ہے جو دلاتی ہے دل کو جوش
ارشاد ہو تو قسم سوم کو بھی کر دوں عرض
اک شاعری وہ ہے کہ جو ہے صرف واہ نوش!
لیکن کوئی بھی قسم ہو، اچھا ہے شعر اگر
محفل کو غالباً ہمہ تن پائیے گا گوش

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے   اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے
دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہ مستحقِ داد   منزل سے اس کو کام ہے، اس کو کلیل ہے

آزاد ہوں، نہیں ہے کوئی مدعائے خاص   جس رُخ ہے قافیہ، مرا مطلب بھی ہے وہی
مذہب کو شاعروں کے نہ پوچھیں جنابِ شیخ   جس وقت جو خیال ہے، مذہب بھی ہے وہی

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں
معنی کے یہاں گوہرِ نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

رنگ ہی کچھ اور اب تو روز و شب کا ہو گیا   جس طرف دیکھو، دگرگوں حال سب کا ہو گیا
اس تغیر سے مگر اس کو نہیں پہنچا ضرر   انقلاب آیا بھی اکبر پہ تو رب کا ہو گیا

میری طرف سے سارا جہاں بدگماں ہے اب   آزادیٔ کلام وہ مجھ میں کہاں ہے اب؟
رکھتی ہیں پھونک پھونک کے باتیں مری قدم   تیغِ زباں نہیں ہے، عصائے زباں ہے اب

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر   ذات سے ان کی مخاطب نہیں فکرِ شاعر!
طبعِ مجنوں ہے مری عاشقِ ملت اے دوست!   کیوں روا رکھتا ہے ناحق مری ذلت اے دوست
راہِ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے   حیف لیلیٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

---

[1] بمعنی پرخاش، دشمنی

ہیں جو کمزور وہ قاضی سے مدد مانگتے ہیں ۔۔۔ اور جو ہیں کور وہ ماضی سے مدد مانگتے ہیں
مردِ بینا کو فقط ارض و سما کافی ہے ۔۔۔ یہی نظارہ ہے یادِ خدا کافی ہے
یاد رکھو کہ یہ ہے ملتِ ابراہیمی ۔۔۔ اتنا ہی کہہ دیا آواز ہے بہتر دھیمی

پنڈت نے بات خوب کہی جوشِ طبع میں ۔۔۔ ناحق گزشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ
پتھر کے بدلے اب تو دھرم ٹوٹنے لگا ۔۔۔ محمود بت شکن تھا، برہمن شکن ہیں آپ

ہیں جو کمزور وہ قاضی سے مدد مانگتے ہیں ۔۔۔ اور جو ہیں کور وہ ماضی سے مدد مانگتے ہیں
مردِ بینا کو فقط ارض و سما کافی ہے ۔۔۔ یہی نظارہ ہے یادِ خدا کافی ہے
یاد رکھو کہ یہ ہے ملتِ ابراہیمی ۔۔۔ اتنا ہی کہہ دیا، آواز ہے بہتر دھیمی

پنڈت نے بات خوب کہی جوشِ طبع میں ۔۔۔ ناحق گزشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ
پتھر کے بدلے اب تو دھرم ٹوٹنے لگا ۔۔۔ محمود بت شکن تھا، برہمن شکن ہیں آپ

نہ ہوں جو شعر مرے آپ کو پسند نہیں ۔۔۔ پسند فرض نہیں اور مجھے گزند نہیں

بجز خطائے نظر اور سہوِ کاتب کے ۔۔۔ کچھ اعتراض اگر ہیں تو سود مند نہیں
حدود جن نے کیے ہیں معین اپنے لیے ۔۔۔ اور ان حدود کے اندر کہیں ہیں بند نہیں

اکبر کی خرافات سے ناخوش ہوئے ایسے ۔۔۔ نامہ ہے نہ پیغام، نہ صحبت ہے نہ مجرا
مانا کہ حسینوں کے لیے ناز ہے لازم ۔۔۔ لیکن کوئی پوچھے تو کہ پاگل سے بھی نخرا!

بے جا ہو اعتراض تو اس پر بھی ہیں خموش ۔۔۔ گو دل ہی دل میں غصے سے بھُنتے بھی خوب ہیں
کہتے ہیں خوب حضرتِ اکبر شک اس میں کیا ۔۔۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ سُنتے بھی خوب ہیں

ہو چکی یاں کی سیر یا اللہ ۔۔۔ عاقبت ہو بخیر یا اللہ!
رکھ حرم میں مرا قدم ثابت ۔۔۔ ہے کشش سوئے دیر یا اللہ!
غرقِ غم ہوں کہ ہوں تو دریا میں ۔۔۔ اور مگر[1] سے ہے بیر یا اللہ!
ہم سے لاٹھی بھی اٹھ نہیں سکتی ۔۔۔ اور اُدھر سے ہے فیر[2] یا اللہ!
اپنوں میں دے محبت و قوت ۔۔۔ ہم پہ ہنستے ہیں غیر یا اللہ!

---

[1] مگرمچھ　　[2] Fire، بندوق یا گولی کا چلنا